ابنِ صفی

جلد نمبر
11

جاسوسی دنیا

33- برف کے بھوت

34- پرہول سناٹا

35- چیختے دریچے

جاسوسی دنیا نمبر 35

چیختے دریچے

(مکمل ناول)

پیش رس

''چیختے دریچے'' ان شاہکار ناولوں میں سے ایک ہے جس کی مقبولیت کا راز اس کے عجیب و غریب کردار اور ان کی مضحکہ خیز خصوصیات ہیں۔ ڈاکٹر زیٹو، پروفیسر چنگھاڑنی اور پروفیسر ٹی۔ اے جھوس کے نام ہی ایسے ہیں، جو قہقہہ انگیز ہیں ان کی خصوصیات اور بھی حیرت انگیز ہیں۔ مثلاً ٹی۔ اے جھوس کو ایک اصیل مرغ کی تلاش ہے اور پروفیسر چنگھاڑنی ایک انڈے سے تین زردیاں پیدا کر چکا ہے۔ اسی طرح ایک، ایسی لڑکی بھی ہے جو ٹماٹر سے چڑھتی ہے، جس کے لئے ایک انوکھا لفظ ''بوں ژر'' ایک مصیبت بن گیا ہے۔

یہ تمام واقعات، جو بظاہر محض تفریحی نظر آتے ہیں، دراصل ایک دلکش اور سنسنی خیز کہانی کی کڑیاں ہیں اور جرائم کے ایسے پہلو سامنے آتے ہیں، جو چونکا دینے والے بھی ہیں اور قابل غور بھی! اس کہانی کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا تحیر اور اس کا مجرم ہے! مجرم کے سامنے آتے ہی قاری کے ذہن کو جھٹکا لگتا ہے اور پھر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے اور ابتدا کی تفریحات کی نوعیت بالکل ہی سنجیدگی میں بدل جاتی ہے۔

پبلشر

لنگڑی کوٹھی

سرجنٹ حمید بہت زیادہ اداس تھا۔ اُداسی کی بات بھی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ قیام کسی ا
ہوٹل میں ہوگا جہاں دلچسپیاں ہوں گی، لیکن جلال آباد پہنچ کر فریدی نے ایک ایسے ہوٹل
قیام کیا جہاں دلچسپی تو الگ رہی کوئی چیز سلیقے کی نہیں تھی۔

فریدی کو اچانک جلال آباد آنے کی سوجھی تھی اور اس نے اپنے بینک سے کافی روپیہ جلا
آباد کے ایک بینک میں منتقل کرادیا تھا۔ اُس نے حمید کو اپنے اس سفر کی وجہ نہیں بتائی تھی
حقیقت تو یہ ہے کہ حمید نے پوچھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی! وجہ بھی صاف تھی۔ سا
تجربات کی بناء پر حمید کو یقین تھا کہ وہ پوچھنے پر بھی نہ بتائے گا لہٰذا خواہ مخواہ اپنی زبان کو تھکانا اُ
بہتر نہ معلوم ہوا۔

حمید اپنی زندگی کی یکسانیت سے عاجز آچکا تھا اس لئے اس نے سوچا کہ تھوڑی سی تبدیلی،
غنیمت ہے! یہی کیا کم تھا کہ وہ اپنے شہر سے دور ایک دوسرے شہر کی فضا میں سانس لے رہا
ایسے شہر میں جہاں نہ اس کا آفس تھا اور نہ وہ میز تھی جس پر وہ دن بھر بیٹھ کر فائلوں میں سر کھ
کرتا تھا۔

پچھلی شام کو وہ جلال آباد پہنچے تھے اور آج صبح سے فریدی کسی کا منتظر تھا۔ اس بار حمید نے
مچ تہیہ کرلیا تھا کہ وہ کسی بات میں بھی دخل نہ دے گا۔ اس کا اندازہ تو اُسے پہلے ہی ہو گیا تھا
فریدی کسی بہت ہی اہم کام کے سلسلے میں آیا ہے۔ حمید خود کو ہر بات سے قطعی بے تعلق ظا
کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹھیک نو بجے کسی نے ان کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ۔" فریدی نے کہا، جو ایک آرام کرسی پر پڑا آج کا اخبار دیکھ رہا تھا۔

"ایک خاتون.....!" ویٹر نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"آنے دو.....!" فریدی نے اخبار رکھ کر سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔

دوسرے لمحے میں حمید کے مرجھائے ہوئے چہرے پر تازگی دوڑ گئی کیونکہ اندر آنے والی رت نہ صرف جوان تھی بلکہ حسین بھی تھی۔

فریدی اُسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور حمید کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

"اوہ آپ ہیں۔" عورت کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ لہجے میں ہلکی سی خوشی بھی شامل تھی۔

"بیٹھئے۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید کو اس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا تھا لیکن یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ اُس نے اُسے ں اور کب دیکھا تھا۔

"مجھے توقع تھی کہ ڈیڈی آپ ہی کو بھیجیں گے۔" عورت نے فریدی سے کہا اور پھر وہ حمید طرف دیکھنے لگی۔

"یہ سرجنٹ حمید ہیں۔" فریدی بولا۔

"اوہ.... اچھا.... مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ لوگ تشریف لائے۔ اب میں کافی مطمئن ئی ہوں۔"

حمید نے فریدی کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر ہونٹ سکوڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ چ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا ڈیڈی ہو سکتا ہے جس نے فریدی جیسے سنگ خار کو اپنی بے بی کے پاس دیا اور فریدی صاحب دوڑتے چلے آئے۔

"جاوید صاحب کی ضمانت ہو گئی؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! پرسوں رہا ہوئے ہیں اور ایک عجیب بات ہے۔ پرسوں وہ ذرہ برابر بھی فکر مند نظر آتے تھے، لیکن کل رات سے ان کی حالت ابتر ہے۔"

اس پر حمید نے عورت کو گھور کر دیکھا اور اُسے سو فیصدی یقین ہو گیا کہ جلال آباد بھی اس نامت ہی لے آئی ہے۔ حمید فطرتاً کام چور یا کاہل نہیں تھا لیکن فریدی کی طرح ہر وقت اپنے پر کام کا بھوت سوار کئے رکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

"حالت ابتر ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یعنی ایک طرف وہ یہی کہے جا رہے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں اور دوسری طرف انہیں جانے کیوں اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ انہیں پھانسی ہو جائے گی۔ کل رات سے بہت زیا پریشان ہیں۔ پچھلی رات ان کی وجہ سے گھر کا کوئی فرد نہیں سو سکا۔"

"کیا بات تھی؟"

"بس بار بار اٹھ کر ٹہلتے تھے اور پھر اُن پر غشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا انہوں نے اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ وہ روما انہیں کا تھا۔"

"جی ہاں انہوں نے بے دھڑک اپنا بیان دیا تھا اور یہ بات پولیس کو جتا بھی دی گئی کہ کسی اُن کو پھنسانے کے لئے سازش کی ہے اور گرفتار ہونے سے قبل بھی وہ ہنس ہنس کر کہا کرتے کہ ان کا بال بھی کوئی بیکا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ بے گناہ ہیں۔ مگر کل رات سے انہیں نہ جانے ہو گیا ہے۔"

"پولیس نے انہیں شبے کی بناء پر گرفتار کیا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"شبہ کہاں! پولیس کو تو یقین ہو گیا ہے۔ انہوں نے جاوید کو سخت اذیتیں دی ہیں، اعتراف جرم نہ کرا سکے اور فریدی بھائی کل رات سے خود جاوید ہی نے کہنا شروع کر دیا ہے انہیں اب کوئی پھانسی سے نہیں بچا سکتا۔"

"عجیب بات ہے۔" فریدی بولا۔ "انہوں نے اقرار جرم نہیں کیا.... اور یہ بھی کہتے ہیں پھانسی.....!"

"اسی پر تو حیرت ہے۔" عورت نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معا ہے اور وہ کچھ بتاتے بھی نہیں۔"

فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا وہ کل شام کو کہیں باہر گئے تھے۔"

"جی ہاں گئے تو تھے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

فریدی اُس کی طرف مڑ کر بولا۔ "بڑا دلچسپ کیس ہے۔"

"اچھا....!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ لہجے میں ہلکا سا طنز بھی شامل تھا اور طنز کی تہہ میں جھنجھلاہٹ تھی۔

فریدی پھر اُس عورت سے مخاطب ہو گیا۔ "آخر انہوں نے اس بات کا اعتراف کیوں کر لیا تھا کہ وہ رومال انہیں کا تھا، اُسے وہ بڑی آسانی سے نظر انداز کر سکتے تھے۔"

"وہ ایک بہت بڑی مجبوری تھی۔" عورت نے مغموم لہجے میں کہا۔ "گھر کے تقریباً سارے نوکر اور اس کے بہتیرے احباب اُس رومال کو پہچانتے تھے۔"

"کیا اس میں کوئی خاص بات تھی۔"

"اسے بد قسمتی ہی کہنا چاہئے۔ وہ رومال دراصل فرانس سے اُن کے ایک دوست نے بھیجا تھا۔ اُس میں یہ خصوصیت تھی کہ اس پر بنی ہوئی تصویریں اندھیرے میں چمکنے لگتی تھیں اور چمکنے ہی والے حروف میں اس پر اُن کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ چیز انوکھی تھی اس لئے جاوید نے اُسے قریب قریب اپنے سارے دوستوں کو دکھایا تھا اور گھر والے تو خیر واقف ہی تھے۔"

"اُس عمارت میں کوئی نہیں رہتا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... وہ شکستہ حالت میں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو وہاں تک کیسے لے چلوں۔"

"میں خود ہی دیکھ لوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن آپ جاوید سے بھی اس بات کا تذکرہ نہ کیجئے گا کہ آپ کسی سے مدد لے رہی ہیں۔ دوسری بات کیا اس عورت کے متعلق آپ مجھے کچھ بتا سکیں گی۔"

"اتنا ہی کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔"

"کیا وہ آپ کے گھر کے قریب ہی کہیں رہتی تھی۔"

"تھوڑے ہی فاصلے پر.... اور ایک بات اور بھی سننے میں آ رہی ہے۔ وہ یہ کہ اُس کی زندگی بیمہ شدہ تھی۔ پچاس ہزار کا بیمہ تھا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس کے شوہر ہی کی حرکت ہو سکتی ہے۔ اس نے بیمے کا روپیہ حاصل کرنے کے لئے اُسے قتل کرا دیا۔"

"خیال بُرا نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آپ نے ابھی کہا ہے کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔"

”میں کیا بہتیرے یہی کہتے ہیں۔ وہ پرلے سرے کی اوباش تھی۔“

”جاوید صاحب سے اُس کے تعلقات تو نہیں تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بظاہر تو ایسا نہیں معلوم ہوتا لیکن پولیس نے اپنی رپورٹ میں یہی لکھا ہے۔“

”آپ کو یقین نہیں ہے۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”میں جاوید کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتی۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔“

”ہوں....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے پوچھا۔ ”کیا یہ بات مقتولہ کے شوہر نے پولیس کو بتائی تھی۔“

”اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔“

”شوہر بوڑھا آدمی ہے۔“

”جی نہیں۔“

”اس کی مالی حالت کیسی ہے۔“

”وہ ایک دولت مند تاجر ہے۔“

”کیا مقتولہ کا آپ کے یہاں آنا جانا تھا۔“

”نہیں! وہ ہمارے یہاں کبھی نہیں آئی۔“

”اور جاوید صاحب! کیا اس کے شوہر سے ان کے تعلقات تھے۔“

”غالباً کاروباری حد تک۔“

”کیا جاوید صاحب کا بھی کوئی کاروبار ہے۔“

”جی نہیں.... وہ دادا جان کے تجارتی نمائندے ہیں۔“

تھوڑی دیر کے لئے پھر سکوت ہو گیا.... اب حمید بُری طرح الجھنے لگا تھا۔

”کیا آپ کو معلوم ہے کہ بیمہ کس کمپنی کا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”یوریشین انشورنش کمپنی کا۔“

”اوہ....!“ فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

حمید بھی کچھ بولنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھا۔

”اُس عورت کی کوئی چھوٹی بہن بھی ہے۔“ حمید نے پوچھا اور فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”حمید

یا تم نے انہیں پہچانا نہیں۔ یہ ہمارے ڈی۔ آئی۔ جی کی بڑی صاحبزادی محترمہ سعیدہ ہیں۔"
حمید سناٹے میں آ گیا۔ بہر حال اُسے خوشی ہوئی کہ فریدی نے اُسے بیچ ہی میں ٹوک دیا۔ ورنہ وہ نہ جانے کیا بک گیا ہوتا۔

"اوہو! بڑی خوشی ہوئی۔" حمید نے پائپ سلگانے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اُس کی ایک چھوٹی بہن ہے اور اس کے شوہر کے ہی پاس رہتی ہے۔" سعیدہ نے کہا اور فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" اس نے کہا۔ "ہمیں اس سے بہت مدد ملے گی۔ ہاں ایک بات، جاوید صاحب سے ملاقات کب ہو سکتی ہے۔"

فریدی کے اس سوال پر حمید کو حیرت ہوئی۔ ظاہر ہے کہ فریدی کسی خاص کام کے لئے ڈی۔ آئی۔ جی ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور اس کام سے اس جاوید کا بھی تعلق تھا۔ پھر آخر فریدی اُس سے ملاقات کے سلسلے میں اس طرح کیوں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں یہ سوال غور طلب ہے۔" سعیدہ کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہو گئے، وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"پرویز صاحب کو تو آپ نے دیکھا ہی ہے اور شائد وہ بھی آپ کو پہچانتے ہیں۔ آج شام کو میں انہیں پرویز صاحب ہی کیساتھ برادر ہوڈ کلب بھجواؤں گی۔ برادر ہوڈ کلب کی عمارت....!"

"مجھے معلوم ہے! جلال آباد میرا دیکھا ہوا ہے۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے یقین ہے کہ پرویز صاحب مجھے پہچان جائیں گے۔ خیر فکر نہیں۔ میں انتظام کرلوں گا۔"

اس کے بعد فریدی نے کسی نامعلوم کیس کے سلسلے میں اور بھی بہت سی معلومات بہم پہنچائیں۔ حمید کی اکتاہٹ بڑھتی رہی، چونکہ اُسے کسی بات کا علم نہیں تھا اس لئے وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا اور اسے اپنی یہی بیکاری کھل رہی تھی، ورنہ کسی خوبصورت عورت کا قرب ہی اُسے چہکانے کے لئے کافی ہوتا تھا۔

لیکن اُسے جلد ہی بولنے کا موقع مل گیا کیونکہ اب وہ دونوں ذاتیات پر گفتگو کر رہے تھے۔

"اور آج کل کیا مشغلہ ہے۔" سعیدہ کہہ رہی تھی۔ "کہیئے آپ اب بھی سانپ پالتے ہیں۔"

"جی ہاں! اب تھوڑے سے رہ گئے ہیں! صرف ڈیڑھ سو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تھوڑے سے۔" سعیدہ حیرت سے بولی۔ "ڈیڑھ سو کم ہیں۔"

"پہلے میرے پاس پانچ سو سانپ تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں۔" حمید بولا۔ "اس محکمے میں آنے سے قبل ہم لوگ بین بھی بجایا کرتے تھے۔"

سعیدہ بے اختیار مسکرا پڑی اور فریدی ہنس کر بولا۔ "حمید صاحب بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔"

"میں نے سنا ہے۔" سعیدہ نے کہا اور اپنے داہنے ہاتھ کے ناخن دیکھنے لگی۔

اور پھر جب سعیدہ چلی گئی تو حمید سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ لیکن فریدی۔ وہ پھر اخبار دیکھنے لگا تھا۔ حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اس کی اس حرکت کی طرف توجہ ہی نہیں دی تو وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

"آپ شائد یہ سوچ رہے ہوں گے میں آپ سے کچھ پوچھوں گا؟" حمید نے چیخ کر پوچھا۔

"پوچھو! کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مردنگ کسے کہتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں آپ سے ہرگز یہ نہ پوچھوں گا کہ آپ یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں۔"

"مجھے خوشی ہو گی۔" فریدی نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسرے لمحے میں وہ کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔

"نمبر پلیز! اوہ شکریہ۔ دیکھئے ذرا رفعت صاحب کو کنکٹ کر دیجئے۔ شکریہ! ہیلو! کیا رفعت صاحب ہیں.... اوہ.... اچھا.... روئی کا بازار کیسا ہے.... کیا.... دو پیسے گر گئے.... میرے خدا کل بازار پھر چڑھے گا۔ اُسے لکھ لیجئے۔ اگر آج شام کو برادر ہوڈ کلب میں میرا سات بجے تک انتظار کیجئے گا تو بہتر ہو گا.... مجھ سے تعاون کیجئے۔ اگلے مہینے تک ہم یہاں کے کاٹن کنگ ہوں گے.... برادر ہوڈ کلب.... جی ہاں.... میز نمبر پندرہ میرے لئے مخصوص ہے.... اسی پر انتظار کیجئے.... بس سات بجے آ جائیے.... شکریہ۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا.... اور پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو برادر ہوڈ کلب.... سیکریٹری صاحب.... اوہ.... دیکھئے میں لکی ایکسچینج سے بول رہا ہوں.... رفعت نعیم کے نام سے آج شام کے لئے میز نمبر پندرہ بک کر لیجئے.... اوہ شکریہ....

بہت بہت شکریہ.... میں رفعت نعیم ہی بول رہا ہوں۔"

فریدی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا اور بڑے دلآویز انداز میں مسکرانے لگا۔

"یہ آپ نے روئی کا کاروبار کب سے شروع کر دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آج ہی سے.... کیا یہ تمہیں پسند نہیں۔"

"مجھے صرف یہ پسند ہے کہ روئی کی کاشت کرنے والے سراغ رساں نہیں ہوتے۔ کیا آج آپ شیو نہیں کریں گے۔"

"جب کوئی اچھا جملہ نہ سوجھا کرے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

"میں تو صبح ہی سے خاموش ہوں۔" حمید نے کہا اور پھر کچھ نہ بولا۔

اس کا اندازہ تو کوئی موٹی عقل رکھنے والا بھی لگا سکتا تھا کہ وہ کوئی قتل کا کیس تھا جس کا قتل ہوا وہ عورت تھی اور جاوید غالباً شبہے میں دھر لیا گیا تھا اور اب اس نے فریدی کی زبان سے ایک دوسرا نام سنا تھا۔ رفعت نعیم! آخر یہ کون تھا؟ فریدی نے اُسے فون پر دھوکا کیوں دیا۔ اس سے کہا کہ خود اُس نے پندرہ نمبر کی میز بک کرائی ہے، لیکن بعد میں بکنگ بھی رفعت ہی کے نام سے کرا ڈالی۔

فریدی اخبار میں ڈوب گیا تھا اور حمید کا ذہن ان معاملات میں الجھ رہا تھا۔ آخر سعیدہ کا اس معاملے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اتنا تو اُسے پہلے سے بھی معلوم تھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی کی لڑکی جلال آباد میں بیاہی گئی تھی۔ تو کیا یہ جاوید اس کا شوہر تھا؟ مگر پھر یہ رازداری کیسی؟

اس نے سر اٹھا کر فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی بھی اس دوران اسی کیطرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"کیوں....؟" فریدی مسکرا دیا۔

"کچھ نہیں....!" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"چلو کہیں گھوم آئیں۔" فریدی بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں صرف اپنے محور پر گھومتا ہوں۔" حمید نے بڑی بے تعلقی سے کہا۔

"یہ جملہ کہا ہے تم نے بڑی دیر بعد۔ چلو پہنو کپڑے۔ میں یہاں تمہاری دلچسپیوں میں حارج نہیں ہوں گا۔ تمہارے نقطہ نظر سے جلال آباد بڑی اچھی جگہ ہے۔"

"سنئے جناب۔" حمید بھنا کر بولا۔ "میں آج کل سراغ رسانی کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ! حمید صاحب آپ اور سراغ رسانی! آپ میں سراغ رسانی کی صلاحیت بھی

ہے! میں تو آپ کو صرف مسخرہ سمجھتا ہوں۔"

"چلئے یہی سہی! آپ مجھے تاؤ نہیں دلا سکتے۔"

"تاؤ تو صرف شاہی نسلوں کے لوگوں کو آتا ہے۔" فریدی نے فخریہ انداز میں سینہ تان کر کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کا سلسلہ براہِ راست محمد تغلق سے ملتا ہے۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن ضروری نہیں کہ آپ ذرا ذرا سی بات پر اس کا حوالہ دیتے پھریں۔"

"جب کوئی تمہاری تعریف کرتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ اس کا گلا گھونٹ دوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ خودکشی آپ کیلئے مقدر ہو چکی ہے۔" حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔

"بہرحال مجھے افسوس ہے کہ مفت میں تمہیں اتنی شہرت نصیب ہو گئی۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تو تم نہیں چلو گے۔"

"جی نہیں.... میں اپنی پچھلی نیند پوری کروں گا۔"

فریدی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ حمید اُسے باہر جانے کے لئے لباس تبدیل کرتے دیکھتا رہا۔

"اچھا تو پھر چھ بجے شام کو برادر ہوڈ کلب کے قریب ملنا۔" فریدی نے کہا اور آئینے پر آخری نظر ڈالتا ہوا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔

حمید سچ مچ سونا چاہتا تھا۔ پچھلی رات اُسے اچھی طرح نیند نہیں آئی تھی۔ اُس نے ویٹر کو بلا کر دوپہر کا کھانا منگوایا۔

اور جب وہ کھانا ختم کرنے کے بعد لیٹنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ حمید نے جھلا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "کون! فریدی بھائی۔"

"جی نہیں سرجنٹ حمید۔"

"اوہ دیکھئے میں سعیدہ بول رہی ہوں۔" لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ "فریدی بھائی سے کہہ دیجئے کہ پچھلی رات کو بھی لنگڑی کوٹھی میں وہ عجیب و غریب روشنیاں دکھائی دیں تھیں۔ ایک پڑوسی نے اطلاع دی ہے۔"

گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید اور ٹماٹر

سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد بھی حمید بوکھلاہٹ میں کئی سیکنڈ تک "ہیلو ہیلو" کرتا رہا اور پھر جب اُسے کوئی جواب نہ ملا تو ریسیور کو اس طرح گھورنے لگا جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

اگر اُسے یہ معلوم ہوتا کہ سعیدہ کہاں سے بولی تھی تو وہ اُسے دوبارہ فون کرکے یہ ضرور پوچھتا کہ یہ لنگڑی کوٹھی کس چڑیا کا نام ہے۔ اب کوٹھیاں بھی لولی لنگڑی ہونے لگیں۔ بہر حال اب وہ صرف ایک بات کے متعلق بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ یہی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے، اس کمرے سے نکل بھاگے۔ ورنہ یہ کم بخت ٹیلی فون زندگی تلخ کر دے گا۔ اسے اس نامعقول ایجاد سے بڑی نفرت تھی۔ اگر اس کا موجد ایک بار بھی اُسے دستیاب ہو جاتا تو وہ اُسے پھٹے پرانے جوتوں کا ہار پہنائے بغیر نہ مانتا۔

ٹیلی فون کا استعمال وہ طوعاً و کرہاً کرتا تھا اور گفتگو کرتے وقت اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح بیجان نظر آئے۔ ایسے مواقع پر اُسے اپنے سیکشن کا ہیڈ کلرک ضرور یاد آتا تھا، جو فون پر اپنے آفیسروں سے گفتگو کرتے وقت بڑی عاجزی سے دانت نکال دیا کرتا تھا۔ وہ لڑکیاں یاد آتیں، جنہیں حمید نے فون پر گفتگو کرتے وقت مسکراتے لجاتے اور شرماتے دیکھا تھا۔

وہ سب اُسے اُلو کے پٹھے اور احمق معلوم ہوتے تھے اسی لئے فون پر گفتگو کرتے وقت وہ اپنے چہرے کو بیجان بنائے رکھنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

اس نے بڑی کراہت کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور بکس سے کپڑے نکالنے لگا۔ وہ اپنے ذہن کو اس بے سروپا کیس میں نہیں الجھانا چاہتا تھا.... جاوید.... رفعت نعیم.... سعیدہ.... مقتولہ.... اندھیرے میں چمکنے والا رومال.... اور لنگڑی کوٹھی.... لاحول ولا قوۃ! اندھا مکان.... کانی عمارت! گونگا بنگلہ! اس نے جھلا کر سوٹ کیس پٹخ دیا۔

لباس تبدیل کر کے وہ فارغ ہی ہوا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے دانت پیس کر ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف سے شائد سعیدہ ہی کہہ رہی تھی۔ "فریدی صاحب! کیا فریدی صاحب ہیں۔"

"جی نہیں میں سرجنٹ حمید ہوں۔ فریدی صاحب کہیں باہر گئے ہیں۔"

"اوہ.... جاوید پر بیہوشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ خیر جانے دیجئے۔ میں پھر ملوں گی۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"جی....!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حمید ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر وہ سوچ رہا تھا کہ کہاں جائے۔ اس سے قبل بھی وہ کئی بار جلال آباد آ چکا تھا۔ اس لئے اُسے زیادہ الجھن نہیں ہوئی۔ بہر حال اُس نے فٹ پاتھ پر کھڑے ہی کھڑے تہیہ کر لیا کہ اس ہوٹل میں تو ان کا قیام نہیں رہے گا۔

بس وہ یونہی بے مقصد ایک طرف چلنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک آوارہ گردی کرنے کے بعد وہ ایک ایسی عمارت کے سامنے کھڑا تھا، جس کے ایک حصے پر اُسے "کرایہ کے لئے خالی ہے" کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

عمارت کافی طویل و عریض تھی جس کے سامنے ایک خوبصورت پائیں باغ کی چہار دیواری پر مختلف قسم کی پھولدار بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔

حمید سوچنے لگا کہ کیوں نہ اس مکان کے لئے بات چیت کی جائے۔ یہ بات تو اس پر ظاہر ہی ہو چکی تھی کہ یہاں اُن کی مدت قیام طویل بھی ہو سکتی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فریدی اپنا کچھ روپیہ جلال آباد کے بینکوں میں کیوں ٹرانسفر کراتا۔

حمید نے دیکھا۔ پائیں باغ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ اس نے اپنی ٹائی کی گرہ درست کی اور چہرے پر رومال پھیرتا ہوا پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ سامنے ایک لمبی سی روش تھی، جو عمارت کے برآمدے کی سیڑھیوں تک چلی گئی تھی۔ روش پر دورویہ مہندی کی باڑھیں تھیں۔ حمید نے یہ سب ایک ہی نظر میں دیکھ لیا، ورنہ شاید اس کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ جیسے ہی اس نے پھاٹک میں قدم رکھا تھا ایک بھاگتا ہوا نوجوان اس سے آ ٹکرایا تھا۔ پھر جونہی وہ جھپٹ کر اس کے سامنے سے ہٹا کوئی چیز بڑی قوت سے اس کی پیشانی پر پڑ کر پھٹ گئی اور اس کا چہرہ بھیگ گیا۔ اگر آنکھیں فوراً ہی بند نہ ہو جاتیں تو شائد وہ چپچپی اور پھسلنے والی سیال چیز اُس کی آنکھوں میں بھی چلی گئی ہوتی۔

حمید نے بوکھلا کر نیچے دیکھا۔ یہ ایک ٹماٹر تھا اور سامنے برآمدے میں ایک لڑکی اپنے ہاتھ

یں دوسرا ٹماٹر لئے ہوئے اُسے گھور رہی تھی۔ حمید نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا۔ ٹماٹر کے کچھ بیج اس کے کوٹ کے کالر پر بھی پڑے تھے۔ انہیں انگلیوں سے جھٹکتا ہوا وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کی کمر پکڑلی۔ یہ وہی نوجوان تھا جس سے وہ ٹکرایا تھا۔ اس نے لگھگھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بس خدا کے لئے! چپ چاپ یونہی کھڑے رہئے۔''

''کیوں! یہ کیا بد تمیزی ہے۔'' حمید جھلا کر پلٹا۔

''میں معافی چاہتا ہوں، لیکن خدا کے لئے بس یونہی کھڑے رہئے۔ وہ چلی جائے۔''

''براہِ کرم آپ سامنے سے ہٹ جائیے۔'' برآمدے سے آواز آئی۔ حمید اُس لڑکی کو دیکھنے لگا۔ آواز بڑی سریلی اور ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ پیدا کر دینے والی تھی۔

''مسٹر! خدا کے لئے۔'' نوجوان حمید کی کمر پکڑے ہوئے آہستہ سے بڑبڑایا۔

''اگر آپ نہیں ہٹیں گے۔'' لڑکی نے چیخ کر کہا۔ ''تو چوبیس ٹماٹر آپ کو برداشت کرنے پڑیں گے۔''

حمید بُری طرح بوکھلا گیا۔

''دھمکی! محض دھمکی۔'' نوجوان آہستہ سے بولا۔ ''آپ ہرگز نہ ہٹئے گا۔''

''اسلم! سامنے آؤ۔'' لڑکی نے پھر للکارا۔ ''ورنہ اڑتالیس ٹماٹر۔''

''آپ بھاگتے کیوں نہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''ناممکن.... بالکل ناممکن.... بھاگنے کی صورت میں مجھے اڑتالیس ٹماٹر برداشت کرنے پڑیں گے۔''

''سنئے جناب....!'' لڑکی نے چیخ کر حمید کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ''آپ نہیں جانتے تو یہ لیجئے۔''

ساتھ ہی اس کے چہرے پر دوسرا ٹماٹر پڑا۔

حمید کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ پلٹ کر اس نوجوان سے لپٹ پڑا۔

''شکریہ! شکریہ!'' برآمدے سے آواز آئی۔ ''آپ ہٹ جائیے۔''

دفعتاً حمید کی رگِ شرارت بھی پھڑک اٹھی۔ اس نے اُس نوجوان کو دبوچ کر اپنے سامنے کرلیا۔

''شکریہ۔'' لڑکی برآمدے سے چیخی اور ایک ٹماٹر اُس نوجوان کے چہرے پر پڑا۔

''چھوڑئے....!'' نوجوان مچلنے لگا۔

"خدا کے لئے.... مسٹر!" حمید نے اُسی کے لہجے میں التجا کی۔

ٹماٹر لگتے رہے۔ حمید اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ نوجوان پہلے تو اس کی گرفت سے نکل جانے کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ لیکن پھر اُس نے بھی بے بسی سے ہنسنا شروع کر دیا۔

"ٹماٹر ختم ہو گئے۔" برآمدے سے آواز آئی۔ "بقیہ پھر کبھی۔"

حمید نے اُسے چھوڑ دیا لیکن وہ اس کے حملے کے لئے تیار تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ چھوٹتے ہی ہاتھاپائی پر آمادہ ہو جائے گا۔ مگر وہ کچھ کہنے کی بجائے دوڑتا ہوا برآمدے کی طرف چلا گیا۔ لڑکی اُسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

حمید جب برآمدے میں پہنچا تو وہ شائد اندر جا چکا تھا۔ لڑکی البتہ اب تک وہیں تھی اور حمید کو متحیرانہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا ڈیڈی سے ملنا ہے۔" لڑکی نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں دراصل اس خالی حصے کے لئے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

لڑکی حسین تھی لیکن اس کی آنکھیں بہت کمزور معلوم ہوتی تھیں کیونکہ اُس نے بڑے موٹے شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔

"خالی حصے کے لئے گفتگو کرنے سے کیا فائدہ۔" لڑکی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید اُسے گھورنے لگا.... اس کا یہ جواب قطعی بے تکا تھا۔

"میں اُسے کرائے پر لینا چاہتا ہوں۔"

"کرائے پر لینا چاہتے ہیں۔" لڑکی آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "بھلا اتنا بڑا مکان آپ سے اٹھے گا۔"

حمید جھنجھلا گیا۔

"آپ کے ڈیڈی کہاں تشریف رکھتے ہیں۔"

"آپ غیر ضروری الفاظ استعمال کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "خیر مجھے کیا؟ ویسے آپ پوچھ سکتے تھے کہ ڈیڈی کہاں ہیں.... اونہہ.... تشریف..... اور پھر رکھتے ہیں! غیر ضروری الفاظ.....!"

"کیا شریف آدمیوں پر ٹماٹر پھینکنا کوئی ضروری حرکت ہے۔" حمید جل کر بولا۔

"اوہ.... وہ اسلم! بہت بور کرتا ہے۔ صبح سے ٹماٹر کی خصوصیات پر لیکچر دے رہا تھا۔ مجھے

دراصل وٹامنز سے چڑھ ہے۔ میں اے سے زیڈ تک سارے وٹامنز پر لعنت بھیجتی ہوں۔"

"آپ کے ڈیڈی۔"

"میرے ڈیڈی۔" اُس نے جلدی سے بات کاٹ دی۔ "بہت بڑے سائنٹسٹ ہیں۔ وہ آج کل مرغی کے ایک انڈے میں تین زردیاں پیدا کرنے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔"

"اوہ کیا سچ؟" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی ہاں! کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔"

"تب تو آپ مجھے فوراً اُن کے پاس لے چلیئے! انہیں میری ضرورت ہے۔"

"ضرورت تو انہیں صرف ایک عدد اصیل مرغے کی ہے۔" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"میں ایک اصیل مرغے کے فرائض بھی انجام دے سکتا ہوں۔" حمید نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

"اوہ.... اچھا تو آیئے۔" لڑکی نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک کمرے میں گھسیٹ لے گئی۔ لیکن پھر اچانک اُس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور رک کر اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"کیا کہا تھا آپ نے۔"

"میں نے یہ عرض کیا تھا کہ میں اصیل مرغا مہیا کر سکتا ہوں۔"

"تو آیئے.... ڈیڈی آپ کی بہت عزت کریں گے۔ میں آپ کو ان کی تجربہ گاہ میں لئے چلتی ہوں۔"

تجربہ گاہ میں پہنچ کر حمید کو ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔ کیونکہ ایک انتہائی سنجیدہ صورت اور معمر آدمی ایک مرغے کو گھیر گھیر کر ایک گوشے میں اونگھتی ہوئی مرغی کی طرف ہانک رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سیرنج تھی۔

حمید اور اُس لڑکی کو دیکھ کر اُس نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور آہستہ سے بولا۔ "پلیز.... پلیز اُدھر ہی ٹھہریئے۔"

تقریباً پانچ چھ منٹ تک وہ مرغ کے ساتھ اچھلتا کودتا رہا پھر رک کر مایوسی سے سر ہلاتا ہوا بولا۔ "موڈ میں نہیں ہے۔"

اسی دوران میں وہ شائد اُن دونوں کی موجودگی بھی بھول گیا تھا۔

"اوہو! سلیمہ!" وہ ان کی طرف مڑتے ہی چونک پڑا۔ پھر اپنی ناک پر عینک جماتا ہوا بولا۔

"آپ کی تعریف۔"

"آپ اصیل مرغ مہیا کر سکتے ہیں۔" سلیمہ نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ کو کرائے پر مکان بھی چاہئے۔"

"تشریف رکھئے! تشریف رکھئے۔" اُس نے جھک کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹی سلیمہ آپ کے لئے چائے کو کہو۔"

سلیمہ چلی گئی۔

"اصیل مرغ....!" سلیمہ کا ڈیڈی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں عرصے سے تلاش میں ہوں مگر یہاں سب دوغلے ملتے ہیں۔ آپ کو مکان بھی چاہئے۔"

"اب تو ہر قیمت پر چاہئے۔"

"کیوں؟" بوڑھا اسے گھورنے لگا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میرے ساتھی پروفیسر چنگھاڑنی بھی اسی چکر میں ہیں۔"

"کس چکر میں ہیں؟"

"اب وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ایک انڈے میں کم از کم پانچ زردیاں پیدا کی جائیں۔"

"کیا....؟" بوڑھا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں.... چار زردیوں تک انہیں کامیابی ہوئی ہے۔"

"افسوس" بوڑھا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر آرام کرسی پر گر گیا.... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا.... حمید کچھ نہ بولا۔

"چار زردیوں تک کامیابی اور میں دو بھی نہیں پیدا کر سکا۔" بوڑھا بڑبڑا رہا تھا۔ "نہیں نہیں مسٹر میں یقین نہیں کر سکتا۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے۔"

"پروفیسر چنگھاڑنی۔" حمید بولا۔

"میرے خدا.... چار زردیاں.... میری زندگی برباد ہو گئی.... میں تباہ ہو گیا۔"

"پروفیسر چنگھاڑنی نے مرغی کے انڈے سے کچھوے کے بچے نکالے تھے۔" حمید نے کہا۔

"میرے پیارے لڑکے۔" بوڑھا حالت جوش میں کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے وہ قابل قدر

ہستی۔ کچھوے کے بچے میں سے مرغی کے انڈے.... دنیائے سائینس میں ایک عظیم کارنامہ۔"

"میں دنیا کے دو عظیم سائنسدانوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "کیا آپ مکان کرائے پر....!"

"مفت میرے پیارے لڑکے۔" بوڑھے نے اُس کی بات کاٹ دی.... "بالکل مفت.... پروفیسر چرگاڑنی۔"

"چنگھاڑنی۔" حمید نے تصحیح کی۔

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "پروفیسر چنگھاڑنی کے لئے میں پوری عمارت وقف کر سکتا ہوں۔ لیکن میں بہت اداس ہو گیا ہوں....پانچ زردیاں.... میرے خدا۔"

"انہوں نے زردیوں کی رنگت تک تبدیل کر دی ہے۔ ایک ہی انڈے میں چار مختلف رنگوں کی زردیاں تھیں! سبز، سرخ، نیلی اور پیلی۔"

"بس کیجئے.... بس کیجئے۔" بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔ اف میرے خدا.... چار زردیاں.... انقلاب دنیائے سائنس میں عظیم انقلاب اوہ پیارے پروفیسر چنگھاڑنی۔ تم انسانیت کے بہت بڑے محسن ہو.... چار زردیاں۔"

"تو پھر آپ مکان کے لئے کیا کہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جب دل چاہے آجائیے.... ضرور آیئے۔"

"کرایہ کیا ہوگا۔"

"کچھ نہیں....بالکل نہیں.... پروفیسر چنگھاڑنی سے کرایہ نہیں لیا جائے گا۔"

"یہ تو مناسب نہیں۔" حمید بولا۔

"قطعی مناسب ہے مسٹر....!"

"لوگ مجھے ڈاکٹر زیٹو کہتے ہیں...." حمید نے شرما کر کہا۔

"مائی ڈیئر.... ڈاکٹر زیٹو.... چشم ما روشن دل ما شاد ماں۔ شوق سے آپ لوگ تشریف لایئے۔ آپ میرے مہمان رہیں گے، لیکن وہ اصیل مرغ نہ بھولئے گا۔"

"میں کل ہی اُس کیلئے خط لکھ دوں گا۔ پروفیسر چنگھاڑنی کے گھر پر پانچ درجن اصیل مرغ ہیں۔"

"پانچ درجن اصیل۔" بوڑھا حیرت سے بولا۔ "مائی ڈیئر ڈاکٹر زیٹو.... پروفیسر چنگھاڑنی

پرستش کے قابل ہیں۔"

"آپ پروفیسر سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"قطعی ڈاکٹر زیٹو.... قطعی۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو.... آپ ڈاکٹر ہیں۔ میرا جگر خراب ہے۔ خون خراب ہے۔ کیا آپ میرا طبی معائنہ کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔"

"میں دراصل آئس کریم کا ڈاکٹر ہوں۔" حمید نے شرما کر کہا۔

"آئس کریم کا ڈاکٹر۔" بوڑھے نے منہ چلا کر آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں.... ایک نئی قسم کی آئس کریم ایجاد کرنے کے سلسلے میں نبراسکا یونیورسٹی نے مجھے ڈاکٹریٹ دی تھی۔"

"اوہو! آپ بھی موجد ہیں۔" بوڑھا اس کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو آپ بھی انسانیت کے بہت بڑے محسن ہیں۔"

سلیمہ چائے کی ٹرے لئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"سلیمہ! پروفیسر چنگھاڑنی آ رہے ہیں۔" بوڑھے نے اُسے مخاطب کیا۔

"پروفیسر چنگھاڑنی۔" سلیمہ نے حیرت سے کہا۔

"تم پروفیسر چنگھاڑنی کو نہیں جانتیں۔ ارے وہ انسانیت کا محسن۔ قابل قدر پروفیسر چنگھاڑنی جواب تک چار زردیوں والے انڈے پیدا کر چکا ہے۔ جس نے کچھوے کے بچے سے مرغی کے انڈے نکالے ہیں۔"

"ڈونٹ ٹاک اِٹ ڈیڈی۔" وہ منہ سکوڑ کر بولی۔

"ڈاکٹر زیٹو سے پوچھ لو۔"

"ڈاکٹر زیٹو....!" لڑکی حمید کو گھورنے لگی۔

"آپ ٹماٹر کھایا کیجئے۔" حمید نے اُس سے کہا۔ "وہ ایک صحت مند غذا ہے۔"

"کیا....؟" سلیمہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ "آپ مجھے بور کریں گے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ ٹماٹر کے فوائد سے واقف نہیں۔"

"بکواس بند کیجئے۔" سلیمہ چیخ کر بولی۔ اس کا چہرہ غصے سے ٹماٹر ہو گیا۔ "آپ احمق ہیں۔" اُس نے پیر پٹخ کر کہا اور کچھ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

"اوہ مائی ڈیئر زیٹو....!" بوڑھے نے انکسار آمیز لہجے میں کہا۔

"بے بی تو ٹماٹر کے تذکرے پر غصہ آجاتا ہے۔ وہ اسلم ہے نا! اس سے بڑی جنگ ہو جاتی ہے۔ ٹماٹر اُس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"اسلم صاحب کون ہیں؟"

"صاحب نہیں.... وہ میرا بھتیجا ہے۔" بوڑھے نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "میرا ارادہ ہے کہ میں بے بی سے اُس کی شادی کر دوں.... مگر ٹماٹر....!"

"کیوں.... ٹماٹر کیوں؟"

"اوہ اُسے ٹماٹر بہت پسند ہیں.... وہ دن رات ٹماٹروں کے قصیدے پڑھا کرتا ہے، لیکن بے بی.... اُسے ٹماٹروں سے نفرت ہے۔ میں نے کہا نا کہ ٹماٹر اُسکی سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"لیکن میں اُسے ٹماٹر کھلا سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ناممکن! مائی ڈیئر زیٹو.... بالکل ناممکن ہے۔"

"ٹماٹر کی آئس کریم.... کیا خیال ہے؟"

"گڈ! ایکسیلنٹ! ڈاکٹر زیٹو ونڈر فل!" بوڑھے نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر تیز قسم کی سرگوشی کی۔

"میں پروفیسر چنگھاڑنی کا دست راست ہوں۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب اجازت دیجئے۔"

"ارے میں کس قابل ہوں کہ اجازت دوں۔" بوڑھے نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "ارے چائے تو رکھی ہی رہ گئی۔ لیجئے ڈاکٹر زیٹو۔"

ڈاکٹر زیٹو پھر بیٹھ گیا۔ دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ بوڑھا کبھی کبھی کونے میں لڑی او نگھتی ہوئی مرغی کو پر تشویش نظروں سے دیکھنے لگتا تھا۔

"اسے ٹماٹر کی آئس کریم کھلائیے۔ یہ کچھ مغموم سی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹماٹر کی آئس کریم۔" بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

"یہ بہت ضروری ہے۔ پروفیسر چنگھاڑنی ہمیشہ یہی کرتے ہیں۔ ورنہ چار زردیاں مشکل کام ہے۔ ٹماٹر کا رس کسی کنواری لڑکی کے ہاتھوں نکلوایا جائے۔ کیا سمجھے اور مرغ کو بھی کھلائیے وہ کچھ نوں کے لئے نامرغ ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ اُسے شیری پورٹ اور وہسکی کی کاک ٹیلی

پلا کر دوبارہ اصلی حالت پر لا سکتے ہیں۔ کیا سمجھے، تین زردیوں کا ذمہ میں لیتا ہوں۔"

فریدی کی عجیب حرکت

تقریباً نو بجے رات کو حمید ہوٹل میں واپس آیا۔ فریدی کمرے میں موجود تھا اور اُس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا، لیکن کچھ بولا نہیں۔

مگر جب حمید کپڑے اتارنے لگا تو اس نے کہا۔

"ٹھہرو! ہم اسی وقت یہ ہوٹل چھوڑ رہے ہیں۔"

"کیوں! خیریت.... اب کہاں جھک مارنے کا ارادہ ہے۔"

"میں یہاں کا حساب صاف کر چکا ہوں۔ تم ٹیکسی لے آؤ۔"

"کہاں چلئے گا۔"

"کسی دوسرے ہوٹل میں؟"

"ہوٹل بیکار ہے۔" حمید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"آپ گھورتے کیوں ہیں؟"

"چلو! جلدی جاؤ! ورنہ کسی الجھن میں پڑ جائیں گے۔"

"میں نے ایک مکان کا انتظام کیا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"آپ مکان کا مطلب نہیں سمجھتے۔ آج جانے کیا بات ہے کہ ہر آدمی پروفیسر ٹی۔ اے جھوس بنا جا رہا ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"میں نے ایک مکان کا انتظام کر لیا ہے۔ بڑی آرام دہ جگہ ہے۔ آپ کو صرف تھوڑی سی مرغ بازی کرنی پڑے گی۔ اپنا نام پروفیسر چنگھاڑنی بتانا پڑے گا۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔"

''اور آپ کو یہ ظاہر کرنا پڑے گا کہ آپ ایک بہت بڑے سائنسدان ہیں۔ ایک انڈے سے اب تک چار زردیاں پیدا کر چکے ہیں اور اب پانچویں کے امکانات زیرِ غور ہیں۔''

''بیہودہ بکواس پھر کسی وقت پر اٹھا رکھو۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

اس پر حمید نے دن بھر کی کارگذاریوں کی رپورٹ پیش کر دی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''اس کا نام کیا ہے؟''

''پروفیسر ٹی۔ اے جھوس۔''

''ٹی۔ اے جھوس۔'' فریدی یاد داشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ ''وہی تو نہیں جس کی ایک آنکھ مصنوعی ہے۔''

''ہائیں! تو کیا آپ اُسے جانتے ہیں۔'' حمید اچھل پڑا۔

''اس کی سات پشتوں سے واقف ہوں۔ وہ ایک بہت بڑا احمق ہے۔ اُسے تجربات کا خبط ہے، لیکن تمہیں یہ معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ وہ ایک بہت ہی معمولی پڑھا لکھا آدمی ہے۔ ویسے دولتمند کافی ہے اور خود کو سائنسدان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جرمن سائنسدانوں کی سی وضع بنائے رکھتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے فرزند کہ وہ مجھے پہچانتا ہے۔''

''میک اپ....!'' حمید بولا۔ ''آپ ایک معمر آدمی کا میک اپ کر لیجئے۔''

''تو ضرورت ہی کیا ہے.... کہیں اور ٹھہریں گے۔''

''میں تو وہیں ٹھہروں گا.... میرا نام ڈاکٹر زیٹو ہے اور میں آئس کریم کا ماہر ہوں۔ کیا سمجھے۔''

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''تم برادر ہوڈ کلب میں کیوں نہیں ملے۔''

''بتایا تو کہ میں مکان تلاش کر رہا تھا۔''

''رفعت نعیم بھی قتل کر دیا گیا۔''

''رفعت نعیم.... اوہ.... وہی جسے آپ نے فون کیا تھا۔''

''ہاں وہی.... وہ بیچارہ کلب آیا تھا۔ بڑی دیر تک پندرہ نمبر کی میز پر میرا انتظار کرتا رہا لیکن میں نے تو دراصل اُسے دیکھنے کے لئے بلایا تھا۔ اُس سے ملنے کا ارادہ قطعی نہیں تھا۔ جب وہ انتظار

کرتے کرتے تھک گیا تو اس نے میز مخصوص کرانے والے کے متعلق سیکریٹری سے پوچھا اس پر سیکریٹری ہنس پڑا۔ کیونکہ میں نے وہ میز خود رفعت نعیم ہی کے نام سے مخصوص کرائی تھی۔ بہر حال وہ بڑی دیر تک سیکریٹری سے الجھتا رہا اور پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اب مجھے جاوید اور پرویز کا انتظار تھا، لیکن وہ دونوں سرے سے آئے ہی نہیں.... ہاں تو.... رفعت نعیم کے جانے کے چند لمحوں کے بعد باہر شور سنائی دیا۔ پھر برآمدے میں میں نے رفعت نعیم کی لاش دیکھی۔ اُس کی بائیں پسلی میں ٹھیک دل کے مقام پر ایک خنجر پیوست تھا لیکن قاتل کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔"

"لیکن یہ رفعت نعیم تھا کون؟"

"مقتولہ کا شوہر۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے مقتولہ میری منکوحہ رہی ہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ دوسرا جاوید کون اُلو کا پٹھا ہے۔"

"جاوید.... سعیدہ کے شوہر کا چھوٹا بھائی ہے اور اس پر رفعت نعیم کی بیوی کے قتل کا الزام ہے۔"

"تو آپ جاوید سے اُسکے گھر پر کیوں نہیں ملے۔ آخر اتنی رازداری کی کیا ضرورت تھی۔"

"بتاتا ہوں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "مقتولہ کی لاش ایک اجاڑ سی ٹوٹی پھوٹی عمارت میں پائی گئی اور وہ عمارت دراصل سعیدہ کے سسرال والوں کی ملکیت ہے۔ لاش کے قریب جاوید کا رومال پایا گیا ہے۔"

"اور اس عمارت کا نام لنگڑی کوٹھی ہے۔" حمید اپنے دیدے نچا کر بولا۔

"تو تم تفصیل سے واقف ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"پچھلی رات کو پھر لنگڑی کوٹھی میں روشنی دیکھی گئی تھی۔"

"کیا....؟" فریدی یک بیک کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں.... سعیدہ کے بعض پڑوسیوں نے کچھ عجیب و غریب قسم کی روشنیاں دیکھی تھیں۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"آپ کے جانے کے بعد سعیدہ نے فون پر کہا تھا۔"

"اوہ....!" فریدی اٹھ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اس واردات کے بعد پولیس نے نہ صرف جاوید کو گرفتار کر لیا بلکہ اُس کے خاندان والوں کو بھی پریشان کرتی رہی۔ سعیدہ نے

گھر والوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ کیوں نہ اپنے باپ کو پورے واقعات لکھ کر اُن سے مشورہ طلب کرے لیکن جاوید کے دادا میاں نے اُسے اپنی شان کے خلاف سمجھ کر اُس کی تجویز مسترد کردی۔ سعیدہ بہت پریشان تھی۔ اُس نے خفیہ طور پر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو خط لکھا۔ اس کا خیال ہے کہ خاندان کی عزت خاک میں ملنے والی ہے اور دادا صاحب اپنی جھوٹی خودداری لئے بیٹھے ہیں۔"

"کیوں! آخر وہ بوڑھا مخالفت کیوں کر رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"جھکی ہے.... بہو کے میکے والوں سے مدد لینا کسر شان سمجھتا ہے، بہر حال ڈی۔ آئی۔ جی کی ہدایت کے مطابق چھپ کر اس کیس کی تفتیش کرنی ہے۔"

"کیا وہ خاندان لنگڑی کوٹھی میں مقیم ہے۔"

"نہیں لنگڑی کوٹھی تو ایک قدیم طرز کی عمارت کے کھنڈروں کا نام ہے، لیکن وہ ان کی رہائشی عمارت سے ملحق ہے۔"

"اور ان روشنیوں کا کیا قصہ ہے؟"

"لوگوں کا خیال ہے کہ لنگڑی کوٹھی بدارواح کا مسکن ہے۔ وہاں اکثر راتوں کو ڈراؤنی چیخیں بھی سنی گئی ہیں۔ بسا اوقات لوگوں کو روشنی بھی دکھائی دی ہے۔"

"آ گئی شامت۔" حمید اپنا داہنا گال رگڑتا ہوا بولا۔

"رفعت نعیم کے اچانک قتل کے بعد یہ کیس بڑا دلچسپ ہو گیا ہے۔ پہلے تو یہ سوچا جا سکتا ہے کہ رفعت نعیم نے بیمے کے پچاس ہزار روپے حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو قتل کر دیا، لیکن اب ہم اُسے کیا کہیں گے۔"

"رفعت نعیم کا کوئی وارث جو اُس کی موت کے بعد فائدہ اٹھا سکے۔" حمید بولا۔

"رفعت نعیم کا کوئی ایسا وارث نظر نہیں آتا۔ میں نے آج دوپہر کو چھان بین کی تھی۔ البتہ اس کی ایک سالی ہے، جس کا قیام اسی کے ساتھ تھا مگر وہ غیر شادی شدہ ہے۔"

"کیا غیر شادی شدہ عورتیں قتل نہیں کر سکتیں۔"

"کر سکتی ہیں، لیکن وہ لڑکی پیدائشی اپاہج ہے۔ اُس کی دونوں ٹانگیں بیکار ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ ''جاوید کا رویہ بڑا مشکوک ہے۔ پرسوں تک وہ خوش رہا اُسے یقین تھا کہ اس کی بے گناہی ثابت ہو جائے گی۔ لیکن کل سے اُس پر دورے پڑنے لگے ہیں اور اُسے بار بار پھانسی کا پھندا اپنے سامنے لٹکتا دکھائی دیتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کل سے اس کی یہ حالت ہے اور آج رفعت قتل کر دیا گیا۔''

''یہ چیز غور طلب ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''اب دوسری بات.... رفعت کے قتل کے بعد میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ہم اس ہوٹل میں ٹھہریں۔ ظاہر ہے کہ وہ میز میں نے ہی مخصوص کرائی تھی اور اس کے لئے فون پر بھی گفتگو کی تھی، جسے ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے ضرور سنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ کل کے اخبارات میں رفعت نعیم کے قتل کی کہانی شائع ہو اور اُس میز کا بھی تذکرہ آئے۔''

''بات تو ٹھیک ہے'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''ہو سکتا ہے کہ ٹیلی فون آپریٹر کو آپ کی کال یاد آجائے۔''

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

''اچھا ٹھہرو....!'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دوسرے لمحے میں وہ اپنے ایک چھوٹے سوٹ کیس سمیت غسل خانے میں تھا۔

اور پھر جب آدھ گھنٹے کے بعد غسلخانے کا دروازہ کھلا تو حمید کے سامنے مغربی وضع کا ایک بوڑھا کھڑا تھا اُس کے چہرے پر فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور گالوں پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ حمید اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

''ڈاکٹر زیٹو۔'' فریدی نے اُسے کپکپاتی ہوئی آواز میں مخاطب کیا۔ ''تمہیں یہ سن کر خوشی نہ ہوگی کہ پروفیسر ٹی۔ اے جھوس جاوید کے رشتہ داروں میں سے ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تم اُسی سے جا ٹکرائے۔ اُس کے یہاں رہ کر ہم بہتیری معلومات حاصل کر سکیں گے۔''

''شامت....!'' حمید دانت پیس کر بولا۔ ''کہیں چین نہیں ہے۔ لعنت ہے اس زندگی پر مقدر ہی واہیات ہے۔ لیکن یہ جھوس کیا بلا ہے۔ میں نے آج تک اس قسم کی کنیت نہیں سنی۔''

''چنگھاڑنی اور زیٹو کے متعلق کیا خیال ہے۔''

''وہ تو میں نے اُسی وقت گڑھ لئے تھے جب میں نے پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر اس کا نام دیکھا تھا۔''

"وہ خود کوٹی۔اے جھوس لکھتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پہلے وہ شاعری کرتا تھا اور اپنا پورا نام تخلص سمیت طیب علی موج لکھتا تھا۔ اچانک اس پر علم الحیوانات کا بھوت سوار ہوا اور اُس نے سائنسدانوں کی وضع اختیار کرلی۔ موج کو جھوس کر دیا اور خود کوٹی۔اے جھوس لکھنے لگا۔"

"آپ کہتے ہیں کہ وہ جاوید کا رشتہ دار ہے۔ لیکن ان وارداتوں میں اسی کا ہاتھ نہ ہو۔ اُس سے پہلے بھی تو ہمیں اس قسم کے کئی خبطی پروفیسروں سے واسطہ پڑ چکا ہے۔"

"پتہ نہیں۔ ویسے تم کئی بار اس سے پہلے بھی نادانستگی میں صحیح مجرموں سے ٹکرا چکے ہو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر وہ پھر کہنے لگا۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تم بھی اپنی اصلی صورت میں منظر عام پر آؤ۔ کل کا اخبار ہمارے لئے خطرناک ہوگا۔"

"مگر میں تو پروفیسر جھوس سے اپنی اصلی صورت میں مل چکا ہوں۔"

"اسی لئے میں نہیں چاہتا کہ ابھی ہم وہاں جائیں۔ کل کا اخبار اور دیکھ لیا جائے اور یہ معلوم کر لیا جائے کہ ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے اخبار دیکھ کر کوئی رپورٹ تو نہیں دی۔"

"پھر آپ ہی کچھ فرمایئے۔ میں تو اس وقت اُس ٹماٹر بیزار لڑکی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ شائد وہ بھی اپنے باپ ہی کی طرح سنکی ہے۔"

"لڑکیوں کے علاوہ اور تم سوچ ہی کیا سکتے ہو۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔

"لڑکیوں کے علاوہ میں اُن کے منگیتروں کے متعلق بھی سوچتا ہوں، اور یہ بھی سوچتا ہوں کہ وہ بیچارے منگیتر کیوں کہلاتے ہیں۔ اگر چھچھوندر کہلاتے ہوتے تو ہمیں بھی یہی کہنا پڑتا۔"

وہ ابھی اپنی بکواس جاری ہی رکھنا چاہتا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اُس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک باوردی سب انسپکٹر پولیس کھڑا تھا اور اس کے پیچھے ہوٹل کا ویٹر تھا۔ سب انسپکٹر نے تیز نظروں سے کمرے کے اندر دیکھا اور پھر مڑ کر ویٹر کو واپس جانے کا اشارہ کر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ پہلے وہ باری باری سے فریدی اور حمید کو گھورتا رہا پھر اس نے کہا۔ "آپ دونوں حضرات کے نام شائد احمد کمال اور ساجد حمید ہیں۔"

"دونوں میرے لڑکے ہیں۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ حمید نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

سب انسپکٹر اُسے متحیرانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ ساجد حمید ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ "اپنے بڑے بھائی احمد کمال کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا ہے کیونکہ احمد کمال کچھ مخبوط الحواس سا تھا۔ کئی دن ہوئے وہ گھر سے نکل بھاگا۔ ساجد اس کے ساتھ ہی رہا۔ کمال نے یہاں اس ہوٹل میں قیام کیا۔ ساجد بھی یہیں پڑا۔ اس نے مجھے یہاں سے تار دیا۔ ہم لوگ دولت آباد کے رہنے والے ہیں۔ میرا نام والا جاہ تعلقی ہے۔ ہائے میں بہت دیر میں پہنچا.... میرا بچہ.... میرا احمد کمال....!"

فریدی اس طرح خاموش ہو گیا جیسے اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔ حمید نے دیکھا معاملہ نازک سا ہے لہٰذا اس نے بھی نتھنے پھلا پھلا کر دو چار آنسو نکال لئے تھے اور ناک کے بل شوں شوں کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے!" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ساجد کا بیان ہے کہ اس نے آج....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ خاموش کیوں ہو گئے کہئے۔" سب انسپکٹر نے ٹوکا۔

"آج اس نے شائد سینما یا تھیٹر میں اپنے لئے ایک نشست مخصوص کرائی تھی اور اس نے اپنا نام رفعت نعیم بتایا تھا۔"

"جی....!" سب انسپکٹر چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"آپ بھول گئے۔" حمید نے ہچکی لے کر ٹکڑا لگایا۔ "کسی کلب میں شائد ایک سو بارہ نمبر کی میز مخصوص کرائی تھی۔"

"پندرہ نمبر کی میز۔" سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔ "برادر، ہوڈ کلب۔"

"ہد ہد کلب۔" فریدی اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ بہرہ ہو۔

"جی نہیں! برادر ہوڈ کلب! میز نمبر پندرہ۔" سب انسپکٹر نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

"ممکن ہے یہی رہا ہو۔" حمید بولا۔

"پھر دوپہر کو ساجد غسلخانے میں تھا کہ کمال کہیں غائب ہو گیا، اور ساجد اس کی تلاش میں نکل گیا۔ شام کو میں ہوٹل پہنچا تو ان کا کمرہ بند تھا۔ میں نیچے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ ساجد تنہا واپس آیا۔ ہم دونوں کمرے میں آئے.... اور ہائے.... میرا کمال۔" فریدی منہ ڈھانپ کر رونے لگا۔

''ابا جان۔'' حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا اور پھر اُس کے منہ سے ''بھوں بھوں'' ایسی آوازیں نکلنے لگیں، جیسی عموماً ضبط کرنے کی کوشش کے سلسلے میں بے اختیارانہ نکلتی ہیں۔

''آخر بات کیا ہے؟'' سب انسپکٹر جھلا کر بولا۔

''میرے بیٹے کی لاش....!'' فریدی گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

''لاش....!'' سب انسپکٹر پھر اچھل پڑا۔ ''کہاں ہے لاش۔''

''غسلخانے میں۔'' فریدی لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ ''آیئے.... ہائے کیا اُس کے مرنے کے دن تھے۔''

فریدی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اس کے پیچھے سب انسپکٹر بھی گھسا۔ ساتھ ہی حمید نے کسی کے گرنے کی آواز سنی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔ شائد ایک منٹ بعد فریدی اپنے ہاتھ جھاڑتا ہوا باہر نکلا۔

''اور تم کھڑے منہ دیکھ رہے ہو۔'' اس نے غسلخانے کا دروازہ بند کرتے ہوئے پُر اطمینان لہجے میں کہا۔ ''نکلو یہاں سے مغربی سرے پر، جو زینہ ہے وہ تمہیں باورچی خانے میں پہنچادے گا، جس کا بیرونی دروازہ گلی میں ہے۔ ٹیکسی اسٹینڈ پر میرا انتظار کرنا۔''

حمید نے کچھ کہنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ فریدی بولا۔ ''چلو جاؤ.... کسی قسم کی بکواس نہیں۔''

حمید چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔ مغربی گوشے والے زینوں نے اُسے باورچی خانے میں پہنچادیا.... پھر وہاں سے ٹیکسی اسٹینڈ تک راہ سیدھی تھی۔

حمید ٹیکسی اسٹینڈ پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ آخر اس حماقت کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ فریدی نے اس سب انسپکٹر کو یقیناً بیہوش کیا ہے۔ اس بار اُسے اس کا طریق کار کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے فریدی کو دیکھا، جو ایک ہاتھ میں سوٹ کیس لٹکائے ہوئے بڑے اطمینان سے اس کی طرف چلا آرہا تھا۔ اُس کے قریب پہنچ کر اُس سے مخاطب ہونے کی بجائے وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور سے گفتگو کرنے لگا۔

حمید کا ذہن کچھ اس بُری طرح الجھا ہوا تھا کہ اُس نے ان کی گفتگو پر دھیان تک نہ دیا۔ اس کی نظریں بار بار ہوٹل کیطرف اٹھ جاتی تھیں جس کا فاصلہ ٹیکسیوں کے اڈے سے زیادہ نہیں تھا۔

''چلو بیٹھو۔'' فریدی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ چونک کر اُس کی طرف مڑا۔ ڈرائیور ان کے لئے ٹیکسی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ٹیکسی شہر کے ویرانے کی طرف جا رہی تھی۔ حمید کچھ پوچھنے کے لئے بیتاب تھا۔ کئی بار بولنا بھی چاہا، لیکن فریدی نے اس کا شانہ دبا دیا۔ ٹیکسی پختہ سڑک سے اُتر کر کچے پر ہولی تھی۔ دھچکے لگ رہے تھے اور ہر دھچکے پر ڈرائیور بڑبڑاتا جا رہا تھا۔

"ڈرائیور گاڑی روک دو۔" دفعتاً فریدی نے کہا۔

ڈرائیور ٹیکسی روک کر اُس کی طرف مڑا۔

"ہم آگے نہیں جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔ ڈرائیور آنکھیں پھاڑ کر اُسے گھورنے لگا۔

"یہ لو.....!" اُس نے جیب سے دس دس کے پانچ نوٹ نکالے، ڈرائیور کی حیرت بڑھ گئی۔ معاملہ صرف بیس روپیوں پر طے ہوا تھا اور انہیں شہر سے دس میل کے فاصلے پر جے رام پور کے ڈاک بنگلے تک جانا تھا، لیکن ابھی آدھا فاصلہ بھی نہیں طے ہوا تھا۔

"دیکھتے کیا ہو! رکھو ان روپیوں کو ورنہ گولی مار دوں گا۔" فریدی نے گرج کر کہا اور ساتھ ہی اس کے جیب سے ریوالور بھی نکل آیا۔ حمید کی بوکھلاہٹ پھر بڑھ گئی، لیکن وہ کچھ بولا نہیں.... ادھر ڈرائیور نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے نوٹ پکڑ لئے۔ اس کی نظریں اب بھی فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہمارے سوٹ کیس میں کوتوال شہر کے لڑکے کی لاش ہے! کیا سمجھے۔" فریدی اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔

ڈرائیور کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

"جی صاحب۔" اُس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

فریدی سوٹ کیس لئے ہوئے نیچے اتر گیا۔ حمید بھی اُترا۔ لیکن اُسے اختلاج ہونے لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر فریدی کرنا کیا چاہتا ہے۔

"چلو جاؤ۔ گاڑی پھیرو! اگر پلٹ کر دیکھا تو گولی مار دوں گا۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔ "اس واقعے کی رپورٹ پولیس میں ضرور کرنا تمہیں وہاں سے بھی انعام ملے گا۔ اس سوٹ کیس میں کوتوال شہر کے لڑکے کی لاش ہے۔ چلو بھاگ جاؤ۔"

کار فراٹے بھرتی ہوئی چلی گئی۔ فریدی حمید کیطرف مڑ کر بولا۔ "ابھی واپس چلتے ہیں۔ دولت آباد والی بس آ رہی ہو گی، لیکن اس سے پہلے ہمیں دوسرا میک اپ کرنا پڑے گا۔ کہو کیسی رہی۔"

"کیا بوریت پھیلائی ہے آپ نے۔"

"بس دیکھتے جاؤ۔ اس کیس میں ذہنی جمناسٹک نہیں کرنا چاہتا اس بار تم مجھے ایک بالکل ہی نئے طریقے کا موجد پاؤ گے۔"

سوٹ کیس میں موت

دوسری صبح جلال پور کے اخبار بیچنے والوں کے لئے بڑی منفعت بخش تھی۔ شائد ٹیکسی ڈرائیور نے بھی رات کو رپورٹ داغ دی تھی اور وہ حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اخبارات نے بڑی دلچسپ حاشیہ آرائیاں کی تھیں۔ فریدی اور حمید ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں بیٹھے ایک اخبار اپنے سامنے پھیلائے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

"میں آپ کو بالکل ہی نئے روپ میں دیکھ رہا ہوں۔" بالآخر حمید بولا۔

"کیا تمہیں میرا یہ روپ پسند نہیں آیا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"معاف کیجئے گا مجھے ایسی حرکتوں سے دلچسپی نہیں۔ اگر پکڑے گئے تو پہلے تو عزت اتر ہی جائے گی۔"

"کون! یہ موٹی عقل والے ہمیں پکڑیں گے۔ کیا تم وہ تجوری[1] والا کیس بھول گئے جس میں ہم نے اپنے ہی شہر میں کیا کچھ نہیں کر ڈالا تھا۔"

"مگر مجھے یہ طریقہ بالکل پسند نہیں۔"

"تم خود کو دھوکا دے رہے ہو۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ مجھے پسند ہے وہی تم بھی پسند کرتے ہو۔"

"غلط فہمی ہے آپ کی۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اور میں یہ جتا دینا چاہتا ہوں کہ اب مجھے شادی کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔"

"ایک نہیں چار فرزند.... مگر ابھی مجھے بور مت کرو۔"

"میں تو چلا ڈاکٹر جھوس کے یہاں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

---

[1] اس ہنگامہ خیز داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "تجوری کا راز" جلد نمبر 1 پڑھئے۔

"اس شکل میں۔" فریدی اس کی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"کسی خوبصورت سے میک اپ میں۔" حمید بڑبڑایا۔ "خدا کی قسم میں اس کی عینک... ہائے ہائے۔"

"شٹ اپ فضول باتیں چھوڑو۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جاوید پریشان کیوں ہے۔"

"اور مجھے یہ دیکھنا ہے کہ ملک الموت آج کل کیا تخلص کر رہے ہیں۔"

"ہشت....!"

"اب میں سمجھا۔" حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔

"کیا سمجھے؟"

"یہی کہ اگر ایٹمی قوت کو مکھیاں اور مچھر مارنے میں صرف کیا جائے تو انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہو سکتی ہے۔"

"پھر بکواس کرنے لگے۔"

"ارے سرکار میں تو ازلی خبطی ہوں لیکن کیا میں ایشیاء کے عظیم ترین سراغرساں سے یہ پوچھنے کی زحمت گوارا کر سکتا ہوں کہ اس نے ایک معمولی سے قتل کے کیس میں اتنا پیچیدہ راستہ کیوں اختیار کیا ہے۔"

"ایشیا کا عظیم ترین سراغرساں کبھی کبھی تفریح کے موڈ میں آتا ہے۔"

"اور یہ تفریح۔" حمید ہونٹ بھینچ کر ہنسا۔ "کچھ اس قسم کی ہے کہ بال بچے دار سب انسپکٹروں کو غسلخانہ دکھا دیا جاتا ہے۔ مانتا ہوں فریدی صاحب پچھلی رات آپ سے غلطی ہوئی، ٹیکسی ڈرائیور سے دراصل یہ کہنا چاہئے تھا کہ میرے سوٹ کیس میں کوتوال شہر کی بیوی کے پھٹے پرانے سینڈل ہیں اور ان سینڈلوں سے میں اپنی محبوبہ کے ابا کا مقبرہ تعمیر کروں گا۔"

"یہ تو دیکھو کہ وہ اخبارات، جو جاوید کو ایک کھلا ہوا مجرم گردان رہے تھے وہی اب اُس کی بیگناہی ثابت کرنے پر تل گئے ہیں۔"

"تو آپ نے یہ سب کچھ اسی لئے کیا تھا۔"

"ارادہ تو نہیں تھا، مگر یہ سب کچھ اچانک ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔

"ایک بات کی خوشی ہے کہ یہاں کی پولیس سست نہیں ہے۔ برادر ہوڈ کلب میں حادثہ ہوتے ہی وہ پہلی ہاتھ آئی ہوئی کڑی پر دوڑ گئے اگر وہ سب انسپکٹر اچانک نہ پہنچ جاتا تو واقعات کی یہ

شکل نہ ہوتی۔"

"لیکن وہ بیچارہ ٹیکسی ڈرائیور مفت میں پکڑا گیا۔"

"وہ چھوڑ دیا جائے گا.... اُسے فی الحال شبہے میں روکا گیا ہوگا۔"

"لیکن آپ جاوید کو نہ دیکھ سکے۔"

"جاوید۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "جاوید کی پوزیشن میرے ذہن میں صاف نہیں ہے۔"

"آپ اُس کی طرف سے مشکوک ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مشکوک نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کا رومال لاش کے قریب ہی پایا گیا ہے۔"

"تو پھر آپ نے خواہ مخواہ اتنی اچھل کود کیوں کی۔"

"سانپ کو اس کے بل سے نکالنے کے لئے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ ارے صاحب اب تو صحیح مجرم مطمئن ہو گیا ہوگا۔"

"سانپ اس وقت تک بل سے نہیں نکلتا جب تک اپنی سلامتی کیطرف سے مطمئن نہیں ہو جاتا۔ مجرم یا مجرموں کو اس بات کی فکر ہوگی کہ ان کا جرم اپنے سر منڈھنے والے کون ہو سکتے ہیں۔"

"اگر فرض کیجئے جاوید ہی ہوا تو۔"

"ہم اُسے سعیدہ کی رپورٹ کے خلاف ہشاش بشاش پائیں گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "مقتولہ رفعت نعیم کی بیوی تھی۔ اس کی پالیسی پچاس ہزار کی تھی۔ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد رفعت نعیم بھی مارا گیا.... ورنہ شبہہ اس پر بھی ہو سکتا تھا۔"

"اور کیا تم نے اخبار میں یہ نہیں دیکھا کہ رفعت کی زندگی بھی بیمہ شدہ تھی، اس کی پالیسی بھی پچاس ہزار کی تھی۔"

"تب تو معاملہ صاف ہے۔ یہ کسی ایسے آدمی کی حرکت ہے جسے ان دونوں کی موتوں سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"اُس اپاہج لڑکی کے علاوہ اور کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اگر میں اس اپاہج لڑکی کو ایک نظر دیکھ لوں تو کیا حرج ہے۔" حمید نے کہا۔

"ختم کرو! یہ قصہ! ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے۔"

"جب تک کہ کسی ٹرین سے کوئی خوبصورت لڑکی نہ اترے۔ آپ نہیں جانتے! حسین چہرہ ایک اچھا شگون ہے۔"

"چلو اٹھو.....!"

"بہتر ہے! اب غالباً میر کلو کی سرائے میں قیام ہو گا۔"

"اگر وہیں پناہ مل جائے تب بھی غنیمت ہے۔" فریدی بولا۔

"کیوں؟"

"آج سے جلال آباد میں دو آدمی ایک ساتھ مشتبہ نظروں سے دیکھے جائیں گے، خصوصاً ہوٹلوں میں۔"

"تب تو پھر پروفیسر جھوس۔"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"لیکن میں میلاد خوانوں جیسی ڈاڑھی لگا کر ہرگز نہ جاؤں گا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "آپ کی ڈاڑھی آرٹسٹک ہے۔"

فریدی نے دھکے دے کر اُسے ویٹنگ روم سے باہر نکالا۔

"لیکن اُس سامان کا کیا ہو گا، جو ہوٹل میں رہ گیا۔" حمید نے کہا۔

"وہ اس وقت کوتوالی میں ہو گا اور مٹی کے شیر اُسے اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہوں گے۔ بہر حال اب بہتیرا سامان دوبارہ خریدنا پڑے گا۔ میرے خیال سے تجویز یہ بہتر رہے گی کہ تم ضروری سامان خرید کر پروفیسر جھوس کے یہاں چلے جاؤ۔ اُس سے کہنا کہ تم پروفیسر چنگھاڑنی کے اسسٹنٹ ہو۔ ڈاکٹر زیٹو کے متعلق پوچھے تو کہہ دینا کہ پروفیسر نے اُسے اصیل مرغوں کے لئے کہیں بھیجا ہے۔"

"مگر میری ڈاڑھی۔"

"بغیر ڈاڑھی کے بھی تم پہچانے نہ جا سکو گے۔"

"مگر مجھے یہ صورت پسند نہیں۔"

"ارے او کم بخت کیا تم یہاں عشق لڑانے آئے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"نہ لڑانے کی قسم تو کھا کر نہیں آیا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ حمید اس کے پیچھے لپکا۔ اس کے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سوٹ کیس کی بدولت وہ دھرانہ جائے۔

فریدی اسٹیشن سے باہر نکلتے ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر کسی طرف چل دیا تھا۔ حمید کبھی سوٹ کیس پر قہر بھری نظریں ڈالتا تھا اور کبھی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگتا تھا۔

چند لمحے وہ اپنی گدی سہلاتا رہا پھر اسٹیشن کے اندر چلا گیا۔ ویٹنگ روم میں پہنچ کر اس نے دھر اُدھر نظریں دوڑائیں اور میدان صاف دیکھ کر سوٹ کیس سمیت ایک غسلخانے میں گھس گیا۔

یہاں اس نے آئینے کے سامنے اپنی ڈاڑھی الگ کی۔ پھر سوٹ کیس کھول کر دو تین شیشوں سے تھوڑا تھوڑا سیال لے کر اپنے چہرے پر ملتا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہلا میک اپ بالکل ختم ہو گیا اور اس کی اصل صورت ظاہر ہو گئی۔ اس اثناء میں اس نے اندر لگا ہوا پائپ پوری دھار سے کھول دیا تھا تاکہ باہر والے غسلخانہ خالی نہ سمجھ کر دروازے کو دھکا دینے کی زحمت گوارانہ کریں۔

پندرہ بیس منٹ کی محنت سے اُس نے اپنے خدوخال بدل دیئے اور انہیں ایک حد تک جاذب توجہ بھی بنالیا۔ معاملہ چونکہ ایک خوبصورت لڑکی کا تھا اس لئے اس نے فریدی کی گذشتہ نصیحتیں بالکل ہی فراموش کر دی تھیں۔ فریدی کا قول تھا کہ سراغ رساں کا میک اپ ایسا ہونا چاہئے کہ وہ عام آدمیوں کی بھیڑ میں کسی نمایاں خصوصیت کا حامل نہ ہو، سوائے ایسے حالات میں جب کہ وہ خود ہی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہو۔

یہ موقع بھی کچھ اسی قسم کا تھا کہ حمید کو اُس کے قول پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ مقامی سی۔ آئی۔ ڈی کے آدمی شہر کے چپے چپے پر پھیل گئے تھے اور وہ کسی مشتبہ آدمی کو چیک کئے بغیر یک قدم بھی آگے نہیں بڑھنے دے رہے تھے۔

حمید سوٹ کیس لٹکائے ہوئے غسلخانے سے برآمد ہوا۔ وہ ایک شدید قسم کی اُلجھن میں مبتلا تھا اور الجھن کی وجہ وہ سوٹ کیس تھا جس میں فریدی نے وہ سب اہم چیزیں رکھ لی تھیں جنہیں س نے اپنے سامان کے ساتھ ہوٹل میں چھوڑنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اُسے الجھن بالکل نہ ہوتی مگر س نے غسلخانے سے نکلتے ہی ویٹنگ روم کے دروازے سے کچھ پولیس کانسٹیبلوں کو دیکھ لیا تھا جو شیڈ کے نیچے پڑے ہوئے مسافروں کے سامان کی تلاشیاں لے رہے تھے۔

حمید نے چاہا کہ چپ چاپ نظریں بچا کر نکل جائے، لیکن ان کانسٹیبلوں کے انچارج نے

اُسے دیکھ لیا۔

"اے ہے مسٹر۔" اُس نے اُسے آواز دی۔

حمید رک گیا۔ سب انسپکٹر اُسے گھورتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس کی نظریں اُس کے چہرے پر اس طرح جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ اپنی نوٹ بک کھول کر اُس کے صفحے پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "اونچی پیشانی.... رنگت گوری.... ڈاڑھی مونچھیں صاف.... پیلا سوٹ کیس۔"

اُس نے نوٹ بک بند کر کے چٹکی بجائی اور حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "ہمیں تمہاری تلاش تھی۔"

"کیوں! کس لئے؟" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اوہ! اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔" اُس نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر اُس نے اپنے ساتھیوں نے چیخ کر کہا اور وہ حمید کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

"آخر بات کیا ہے!" حمید تیز لہجے میں بولا۔

"سوٹ کیس میں کیا ہے۔"

"ڈاڑھیاں.... مونچھیں.... پاؤڈر! کریم! عطر! لیونڈر.... اور میک اپ کا دوسرا سامان۔"

"اور کوکین....!" سب انسپکٹر زہر خند کے ساتھ بولا۔

"کیا....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "ایک فلم ایکٹر کے پاس کوکین کا کیا کام۔"

"فلم ایکٹر....!"

"جی ہاں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ملک کے مشہور فلم ڈائریکٹر مسٹر سلمان اپنی تاریخی فلم 'محمد شاہ رنگیلے' جلال آباد کی تاریخی عمارت میں فلمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہماری پوری ٹیم دوسری ٹرین سے یہاں پہنچے گی۔"

"مگر ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کے سوٹ کیس میں افیون اور کوکین ہیں۔"

"جو چیزیں میں نے آپ کو بتائی ہیں ان کے علاوہ آپ کو اور کچھ نہیں ملے گا۔" حمید نے جھنجھلا کر سوٹ کیس سب انسپکٹر کے سامنے پٹخ دیا۔

"اُسے کھولئے۔"

"آپ ہی کھولئے۔" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "اس میں تالا نہیں ہے۔"

سب انسپکٹر نے سوٹ کیس کھول ڈالا اور حمید دم سادھے کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں اخبار کا ایک جملہ گونج رہا تھا۔ اخبارات نے پچھلی رات کے مجرموں کے متعلق یہ بھی لکھا تھا کہ شائد ان میں سے ایک نے بوڑھے کا میک اپ کرر کھا تھا۔

سب انسپکٹر پانچ چھ منٹ تک سوٹ کیس کو الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر سیدھے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ جھاڑتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے ہمیں تو شبہے میں تلاشی لینی ہی پڑتی ہے، مجھے امید ہے کہ ڈائریکٹر سلمان صاحب کو ہمارا شہر ہر لحاظ سے پسند آئے گا۔"

"اگر اُن کے سوٹ کیس میں بھی افیون نہ ہوتی۔" حمید بولا۔

"اوہ کیا کیا جائے۔" سب انسپکٹر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "پھر اُس نے پلٹ کر اپنے ماتحتوں کو ہدایات دینی شروع کر دیں۔"

حمید نے سوٹ کیس بند کیا اور اطمینان سے ٹہلتا ہوا ٹیکسیوں کے اڈے تک آیا۔ اُسے فریدی پر بُری طرح غصہ آرہا تھا۔

بہر حال سوٹ کیس اس کے لئے وبال جان ہو رہا تھا اور وہ کسی نہ کسی طرح اُس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اس نے ایک ریستوران کے ایک کیبن میں گھس کر چائے کا آرڈر دیا، لیکن اب سے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ کیبن میں پردہ تو تھا ہی نہیں، ورنہ اس نے سوچا تھا کہ ناشتے کے وران میں سوٹ کیس سے اشد ضروری چیزیں نکال کر اُسے وہیں چھوڑ دے گا۔

اتنے میں ناشتہ آگیا اور وہ طوعاً و کرہاً نوالے ٹھونستا رہا۔ اُس نے سوٹ کیس ایک کونے میں چھوڑ دیا تھا۔ بات تو کچھ بھی نہیں تھی، لیکن یہاں پھر فریدی کے اصول اس کا بھیجا پھاڑ رہے تھے۔ فریدی کا کہنا تھا کہ کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں ایسے پولیس والوں کے ہتھے چڑھ جاؤ نہیں تم جانتے نہ ہو تو اُن پر اپنی حقیقت ہرگز نہ ظاہر ہونے دو۔

جھلاہٹ میں اس کا دل چاہا کہ اپنے ہی منہ پر تھپڑ مارنا شروع کر دے۔ چائے کی ایک پیالی تم کر کے اُس نے دوسری لبریز کی اور اُسے اپنے ہونٹوں کی طرف لے ہی جا رہا تھا کہ ایک زور ار دھماکہ ہوا۔ پیالی اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور وہ خود اچھل کر میز پر چڑھ گیا.... وسرے لمحے میں اس نے میز پر سے چھلانگ لگائی کیونکہ دھوئیں میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا، لیکن ں کی حاضر دماغی کی داد دینی پڑتی ہے کیونکہ کیبن سے باہر نکلتے ہی اُس نے چاروں طرف زور

سے کہا۔

"یہ کیا ہوا....؟ یہ دھماکہ کہاں ہوا۔"

وہ لوگ، جو اس کے کیبن کی طرف بے تحاشہ بڑھ رہے تھے رک گئے۔ "ارے آگ" اُن میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ کیبن جل رہا تھا۔ سارے لوگ آگ آگ کا شور مچاتے ہوئے سڑک پر آگئے۔ حمید بھی انہیں میں تھا اور وہ چپکے سے کھسک گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا اپنے چہرے کا پسینہ خشک کر رہا تھا اور اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اُس سوٹ کیس کے چیتھڑے اڑتے دیکھے تھے، جس سے وہ پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اُسے اچھی طرح یقین تھا کہ فریدی اس قسم کا جان لیوا مذاق نہیں کر سکتا اور پھر اس وقت بھی اُسے سوٹ کیس میں کوئی ایسی خطرناک چیز نہیں نظر آئی تھی جب وہ ویٹنگ روم کے غسلخانے میں میک اپ کر رہا تھا۔ پھر آخر وہ ٹائم بم کہاں سے ٹپکا تھا۔ اچانک اُسے وہ سب انسپکٹر یاد آیا جس نے اس سوٹ کیس کی تلاشی لی تھی۔ مگر وہ اس قسم کی کوئی حرکت کیوں کرتا۔ حمید خیالات میں الجھا رہا اور ٹیکسی پروفیسر جھوس کی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔

اتفاق سے سلیمہ برآمدے ہی میں کھڑی ہوئی تھی۔ حمید بڑے ادب سے اپنی فلٹ ہیٹ اتار کر تھوڑا سا جھکا اور پھر سیدھا ہو گیا۔

"کیا پروفیسر جھوس تشریف رکھتے ہیں۔"

"جی ہاں.... فرمایئے۔" سلیمہ رک رک کر بولی۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

"کیا پروفیسر چنگھاڑنی آگئے۔"

"جی نہیں!" سلیمہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ان کا فون آیا تھا کہ ان کا سیکریٹری سامان لے کر آئے گا۔"

"میں اُن کا سیکریٹری ہوں۔"

"ہوں گے۔" اُس نے لاپروائی سے کہا اور جانے کے لئے مڑی۔

"اوہ....سنئے تو سہی۔"

"محض سنئے کافی تھا۔ اس میں تو سہی کے اضافے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"شوق سے لے جایئے۔"

"کہنے کا مطلب یہ ہے۔" حمید ہکلایا۔

"تو آپ کہیں گے بھی اور مطلب بھی بتائیں گے۔ گویا بور کریں گے۔"

"مجھے پروفیسر جھوس کے پاس لے چلئے۔"

"چلئے! پہلے ہی کہہ دیا ہوتا اتنا وقت کیوں برباد کیا؟"

وہ اسے کمرے میں لے آئی جہاں پچھلے روز حمید نے پروفیسر جھوس سے ملاقات کی تھی۔ جیسے ہی سلیمہ نے پروفیسر کو یہ بتایا کہ وہ پروفیسر چنگھاڑنی کا سیکریٹری ہے پروفیسر بے اختیار اچھل پڑا اور مضطربانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اوہو! مائی ڈیئر سر! فوراً شرمارو ڈ کے کیفے ڈی سائپرس میں پہنچئے۔ پروفیسر چنگھاڑنی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہاں ایک ایسے مرغ کو ذبح ہونے سے بچانا چاہتے ہیں جس میں پانچ زردیاں پیدا کرنے کی صلاحیتوں کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ پروفیسر نے پندرہ منٹ قبل مجھے فون کیا ہے۔ جلدی کیجئے ڈیئر مسٹر سیکریٹری۔

حمید الٹے پاؤں واپس ہوا۔ سلیمہ بھی اسکے ساتھ تھی۔ برآمدے میں اُس نے اُسے روک لیا۔

"آخر یہ کیا مذاق ہے۔" اُس نے حمید کو گھور کر کہا۔

"میں نہیں سمجھا! محترمہ۔"

"یہ چنگھاڑنی کیا بلا ہے۔"

"جھوس کسے کہتے ہیں۔" حمید نے اُسی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"اوہ یہ تو انگریزوں کی حرکت ہے۔" سلیمہ تڑ سے بولی۔ "کم بختوں نے موج کو جھوس کر دیا۔ بالکل اُسی طرح جیسے ٹھاکر کو ٹیگور کر دیا۔"

"اور اُدھر چند دراوڑ نسل کے جرمنوں نے پروفیسر چمکارنی کو بگاڑ کر چنگھاڑنی بنا دیا۔"

"جرمن دراوڑ نہیں آریائی نسل سے ہیں۔" سلیمہ جھنجھلا کر بولی۔

"ضروری نہیں کچھ دراوڑ بھی ہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ قوالی بھی سنتے ہیں۔"

"فضول! آپ مسخرے ہیں۔"

"جی نہیں میں سائنٹسٹ ہوں۔ میں شلجم کے بیج سے ٹماٹر اگا سکتا ہوں۔"

"کیا؟" سلیمہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر چیخی۔

"جی ہاں اور اس میں اتنے ہی وٹامن پائے جاسکتے ہیں جتنے کہ انڈے میں ہوتے ہیں۔"

"جتنی جلد ہو سکے یہاں سے چل دیجئے ورنہ میرا غصہ بڑا خراب ہے۔"

"کیوں محترمہ.....!" حمید نے سہم جانے کی ایکٹنگ کی۔ "کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی؟"

"آپ جاتے ہیں یا میں اپنے کتوں کو آواز دوں۔"

حمید نے بڑے ادب سے فلٹ ہیٹ اتاری اور قدرے جھک کر ایک معزز مہمان کی طرح رخصت ہو گیا۔

تیسری لاش

فریدی کیفے ڈی سائپریس میں حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید راستے بھر سوچتا آیا تھا کہ شاید فریدی اُسے نئے میک اپ کی وجہ سے نہ پہچان سکے۔

کیفے ڈی سائپریس ایک چھوٹا سا لیکن سلیقے کا کیفے تھا۔ وہاں بمشکل تمام پندرہ یا بیس میزیں رہی ہوں گی، لیکن اس کے باوجود بھی وہ کم از کم متوسط طبقے کے لوگوں کے لئے بہت مہنگا پڑتا تھا۔

فریدی دروازے کے قریب ہی والی میز پر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی حمید اندر داخل ہوا فریدی نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری۔

"واقعی آپ انتہائی خطرناک ہیں۔"

"کیوں! کیا اسلئے کہ تمہیں ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذرا آہستہ بولو۔"

"آہستہ واہستہ کی ایسی تیسی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اگر آپ میری جان لینا چاہتے ہیں تو ویسے ہی گولی مار دیجئے۔"

"خیریت۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔ "کیا بات ہے۔ سچ مچ تم کچھ جھلائے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔"

"نہیں صاحب میں تو فلمی مسخرے گوپ کی طرح خوش ہوں۔ لیکن اس کا افسوس ضرور ہے کہ میں بڑا سخت جان ہوں۔"

"کچھ بکو گے بھی۔"

"میں آپ کی اسکیم کے مطابق مر نہیں سکا۔" حمید نے اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا اور پھر کچھ اور کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فریدی نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔

"اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اخاہ! تو میں مذاق کر رہا ہوں۔ آخر سوٹ کیس میں بم رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بم....!" فریدی چونک کر بولا۔ "کیا بکتے ہو۔"

"کیا؟ آپ نے اس میں بم نہیں رکھا تھا۔"

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے پُر خیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے بعد اُس نے کہا۔

"تم نے وہ سوٹ کیس کہاں چھوڑا تھا۔"

"چھاتی سے تو چپکائے رہا تھا آپ پوچھتے ہیں کہاں چھوڑا تھا۔"

"آخر بات کیا ہوئی؟"

حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر اُس نے شروع سے آخر تک پورا واقعہ دہرا دیا۔

"صرف اُسی سب انسپکٹر نے تلاشی لی تھی۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں اس کے سسرال والے بھی آئے تھے۔"

"حمید خدا کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"اگر میں سنجیدہ نہ ہوتا تو خودکشی کر لیتا جناب۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں اُبھر آئی تھیں اور ہر وقت نیم غنودگی کی سی حالت میں رہنے والی آنکھوں میں ہلکی سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ موجودہ حالت میں بھی ہماری اصلیت سے واقف ہیں۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ بم اسی سب انسپکٹر نے رکھا تھا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ تلاشی کے دوران میں کسی

دوسرے نے یہ حرکت کی ہو۔"

"ناممکن ہے۔" حمید نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔"میری نظریں ایک پل کے لئے بھی سوٹ کیس سے نہیں ہٹی تھیں۔"

"تمہاری نظریں بہک بھی سکتی ہیں۔" فریدی بولا۔"مثال کے طور پر میں تمہیں ہوشیار کر کے تمہاری جیبوں سے اس کیفے کے چمچے چھریاں اور کانٹے بر آمد کر سکتا ہوں۔"

"اچھا تو پچھلی رات آپ ہی نے میری جیب کاٹی تھی۔"

"حمید فضول بکواس نہیں.... یہ کام کا وقت ہے۔"

"اگر یہی حالت رہی تو انشاء اللہ جلد ہی کام تمام ہو جائے گا۔"

"وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں۔" فریدی پُر خیال انداز میں زیرِ لب بڑبڑایا۔

"میرے داماد کے ساڑھو کے سالے کے بھتیجے کے دادازاد بھائی۔"

فریدی اُسے محض گھور کر رہ گیا۔ انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ بولنے پر اُس کے خیالات کی کڑیاں ٹوٹ کر بکھر جائیں گی۔

"میں کہتا ہوں اگر وہ سوٹ کیس میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں کہاں ہوتا۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"جہنم میں۔" فریدی جیب سے سگار کیس نکالتا ہوا بڑبڑایا۔ اس نے خالی الذہنی کے سے انداز میں ایک سگار منتخب کیا اور اُسے ہونٹوں میں دبا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیا وہ ریلوے پولیس کا عملہ تھا۔"

"جی ہاں! ریلوے پولیس ہمیشہ حاملہ رہتی ہیں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"اس دھماکے کے بعد سے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں اور اب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری کھوپڑی پر ربڑ کی کاشت ہوتی ہو۔ آج اتوار ہے اور کل جمعرات ہو گی۔ سات دنوں میں صرف ایک یہی محترمہ مونث ہیں! یہی وجہ ہے کہ روز جمعرات رہتی ہے۔"

فریدی اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا اور حمید کی بڑبڑاہٹ جاری رہی۔"ذرا دیکھئے تو آپ کے فاؤنٹین پن میں کیا وقت ہوا ہے۔ میرا فاؤنٹین پن تو ساڑھے بارہ بجا رہا ہے۔ ویسے اس

وقت میں ایک گیت گانا چاہتا ہوں! جس کے بول ہیں، نندی رے نندی تیری گھوڑی چنے کے کھیت میں۔"

"میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" فریدی غرایا۔

"ربر کی کاشت برباد ہو جائے گی اور نتیجے کے طور پر چیونگم سے محروم ہو جائیں گے۔"

"حمید کیوں شامت آئی ہے۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اب اس کی توجہ کا مرکز دو لڑکیاں بن گئی تھیں جو ابھی ابھی اندر آکر اُن کے قریب ہی کی میز پر بیٹھی تھی۔

وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر فریدی کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔"دونوں نکچڑھی معلوم ہوتی ہیں۔"

فریدی سچ مچ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ حمید نے سوچا کہ اب اُسے زیادہ تاؤ دلانا مناسب نہیں اس لئے وہ سنجیدہ ہو جانے کی کوشش کرنے لگا۔

"اور اس جاوید کا کیا رہا۔" اس نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔"میں اُسے ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا کرو گے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔"یہ ساری چیزیں تم جیسے غیر سنجیدہ آدمی کی لائن کی نہیں۔"

"سنئے جناب۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔"کیا آپ سچ مچ یہ چاہتے ہیں کہ میں پاگل ہو جاؤں۔ اگر اس حادثے کے بعد بھی آپ کو میری خوش طبعی گراں گذر رہی ہے تو میں باز آیا اس محکمے سے! چنا جور گرم بیچ کر زندگی بسر کرلوں گا۔"

"بس اتنے ہی میں پاگل ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا۔" فریدی نے زہر خندہ کے ساتھ کہا۔

"میں نے کئی کئی دن سنناتی ہوئی گولیوں کے درمیان گذارے ہیں۔"

"خیر آپ کی بات الگ ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔"نہ میں بارود پھانکتا ہوں اور نہ پٹرول پیتا ہوں۔"

"تمہیں صرف ندیدے کتے کی طرح عورتوں کے پیچھے بھاگنا آتا ہے۔"

حمید پائپ سلگانے لگا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ حمید پائپ سلگانے کے بعد پھر لڑکیوں کی

طرف متوجہ ہو گیا تھا اور وہ لڑکیاں صرف اپنے سامنے رکھی ہوئی پلیٹوں کی طرف دھیان دے رہی تھیں۔

حمید کچھ کہنے کے لئے فریدی کی طرف مڑا۔ لیکن فریدی کی کرسی خالی تھی۔ وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میز پر وہ سگار جوں کا توں پڑا تھا جسے فریدی نے گفتگو کے دوران میں پینے کے لئے نکالا تھا۔

حمید اس کا انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گذر گئے اور پھر حمید کی اکتاہٹ بڑھنے لگی۔ وہ اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا لڑکا اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک مڑا تڑا سا کاغذ نکالا اور حمید کے ہاتھ میں پکڑا کر کھڑا ہو گیا۔ کاغذ پر تحریر تھا۔ ''اس لڑکے کو ایک چونی دے دو اور تم فوراً جی روڈ کے کراسنگ پر آجاؤ۔'' نیچے فریدی کے دستخط تھے۔

حمید نے لڑکے کو چونی دی۔ جی روڈ کا چوراہا زیادہ دور نہیں تھا۔

حمید نے فریدی کو دیکھا، جو ایک ٹیکسی کے پائیدان پر پیر رکھے شائد اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ قریب پہنچنے پر اس نے اُسے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ ٹیکسی چل پڑی۔

''اس طرح کیوں غائب ہوئے تھے۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''جاوید۔'' فریدی زیرِ لب بڑبڑا کر رہ گیا۔

''کیا یہ ٹیکسی ڈرائیور۔''

''نہیں وہ اگلی ٹیکسی میں ہے۔''

''کہاں تھا۔''

''وہیں جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں وہاں وقت گذاری نہیں کر رہا تھا۔''

''وہاں تھا۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''وہاں وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا اور جب تم اُن لڑکیوں کو سونگھنے میں مشغول تھے تو ایک آدمی نے فٹ پاتھ سے اُسے کسی قسم کا اشارہ کیا تھا۔ جس کے جواب میں وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا.... اور اب دونوں اگلی ٹیکسی میں جا رہے ہیں۔''

''دوسرا آدمی کون ہے؟''

''کوئی بھی ہو.... لیکن وہ اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔''

"آپ نے مجھے وہیں کیوں نہیں بتایا۔"

"تم سنجیدہ نہیں تھے۔" فریدی بُرا سامنہ بنا کر بولا۔ "بعض اوقات تم شدت سے کھلنے لگتے ہو۔"

حمید خاموش رہا۔

فریدی کی ٹیکسی آگے جانے والی ٹیکسی سے کافی فاصلے پر تھی۔

"کیا آپ محض اس بناء پر اس کا تعاقب کر رہے ہیں کہ اس کا ساتھی صورت سے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"میں صبح ہی سے اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔" فریدی بولا۔

"لیکن آپ تو اسے پہچانتے ہی نہیں تھے۔"

"میں صبح اُس کے گھر گیا تھا۔"

"گھر گئے تھے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں دہرایا۔

فریدی خاموش رہا۔ اس کی نظریں آگے والی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں۔

حمید تنگ آکر پروفیسر جھوس کی لڑکی کے متعلق سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اگلی ٹیکسی میونسپل گارڈن کے پھاٹک پر رک گئی۔

"آگے بڑھ چلو۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا اور پچھلے شیشے سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ ان کی ٹیکسی آگے نکل آئی تھی۔ رکی ہوئی ٹیکسی سے دو آدمی نکل کر میونسپل گارڈن میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے مڑ کر ڈرائیور سے ٹیکسی روکنے کو کہا۔

میونسپل گارڈن کا شمار شہر کی بہترین تفریح گاہوں میں ہوتا تھا۔ باغ کے مشرقی سرے پر داہنی جانب ایک طویل و عریض دارالمطالعہ تھا جس کی بالائی منزل بعض پبلک تقریبات کے موقعوں پر نشست گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔

فریدی نے باغ میں داخل ہو کر ان دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا، جو دارالمطالعہ کی طرف جا رہے تھے۔ پھر انہوں نے ان دونوں کو اوپری منزل کے زینوں پر چڑھتے دیکھا۔

جاوید کے متعلق اندازہ لگانے میں حمید کو بھی کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھوں میں عجیب طرح کی وحشت پائی جاتی تھی۔ ویسے چند روز پیشتر وہ یقیناً ایک قبول صورت اور ہنس مکھ نوجوان رہا ہوگا۔

فریدی اور حمید بھی اوپری منزل پر پہنچ گئے اور انہیں اُن دونوں کی نظروں سے پوشیدہ رہنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ ہال کے ایک گوشے میں فرنیچر کا انبار لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں اس گیلری سے گذرتے ہوئے اُس دریچے میں داخل ہوگئے جس کے سامنے فرنیچر کا انبار تھا۔

جاوید کا ساتھی ایک لحیم شحیم آدمی تھا جس نے صرف ایک پتلون اور قمیض پہن رکھی تھی۔ کمر میں فولادی کیلیں جڑی ہوئی چمڑے کی پیٹی تھی اور اس کا بھاری جبڑہ اس کی اذیت پسند طبیعت کی غمازی کر رہا تھا۔

"میں سمجھتا تھا کہ تم سمجھدار آدمی ہو۔" وہ جاوید سے کہہ رہا تھا۔

"میں مجبور ہوں.... بالکل مجبور ہوں۔" جاوید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کوئی یقین نہیں کر سکتا۔" دوسرا آدمی لاپروائی سے شانے ہلا کر بولا۔

"تم لوگ کروڑ پتی ہو۔"

"میں کیسے بتاؤں کہ دادا جان....!"

"دادا جان۔" دوسرا آدمی طنزیہ لہجے میں بات کاٹ کر بولا۔"میں کس طرح یقین کرلوں کہ انہیں تمہاری زندگی عزیز نہیں۔"

"میں نے انہیں یہ نہیں بتایا۔"

"تو بتا دو نا۔"

"وہ پولیس کو اطلاع دے دیں گے۔"

"جس کا نتیجہ تمہاری پھانسی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔" دوسرا آدمی مسکرا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں، وہ ضدی آدمی ہیں۔ انہیں سمجھانا بیکار ہوگا۔"

"تو پھر تم انتظار کرو۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"میں قیامت تک نہیں کر سکتا۔ میرے ہاتھ میں کچھ نہیں۔"

"یہ غلط ہے! جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ بزنس تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"لیکن میں صرف منیجر ہوں۔ حسابات دادا جان رکھتے ہیں۔ بینک میں بھی انہیں کا نام چلتا ہے۔"

"تم جانو۔" دوسری آدمی نے پھر لاپرواہی سے اپنے شانوں کو حرکت دی۔

"میں تھوڑا.... تھوڑا کر کے۔"

"فضول ہے۔" اس نے جاوید کی بات کاٹ دی۔ "میں سمجھا تھا کہ تم آج معاملات صاف رلو گے۔ مگر تم بڑے ناسمجھ ثابت ہوئے۔ خیر پولیس خود ہی سمجھ لے گی۔"

دوسرا آدمی جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو تو سہی۔" جاوید اُسے روک کر بولا۔ "میں اس وقت پندرہ ہزار دے سکتا ہوں۔"

"پچاس ہزار یکمشت۔ اگر ایک ہفتہ کی بھی دیر ہوئی تو ایک لاکھ.... اس کے بعد تو پھر تم جانتے ہی ہو۔"

"بقیہ میں جلد ہی دے دوں گا۔"

"بیکار ہے! ہمیں یکمشت چاہئے۔ ایک مالدار آدمی کی زندگی کیلئے یہ رقم بہت زیادہ نہیں ہے۔"

"تب تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔"

"بہت مناسب ہے۔" دوسرا آدمی بے دردی سے بولا۔ "ہم ایک جھنجھٹ سے بچ جائیں گے۔ تمہاری وجہ سے ہمارا بہت وقت برباد ہوتا ہے۔"

جاوید اُسے ایک لمحہ گھورتا رہا۔ اُس کے سُتے ہوئے بیجان چہرے پر دفعتاً سرخی جھلکنے لگی اور حمید نے اُس کی آنکھوں میں ایک خوفناک چمک دیکھی۔

"تم ایک ہفتے کی بھی مہلت نہیں دے سکتے۔" اُس نے دوسرے آدمی سے کہا۔ "میں صرف اس مہلت کے لئے تمہیں پندرہ ہزار دے سکتا ہوں۔ اور پچاس ہزار کا انتظام میں ایک ہفتے میں کرلوں گا۔"

"میں کیا کروں دوسرے نہیں مانتے۔" اس بار دوسرے آدمی کا لہجہ نرم تھا۔

"کیا مہلت کے لئے پندرہ ہزار ایسے کم ہیں۔"

"بولو... جلدی کرو.... یہ لو۔" جاوید کا ہاتھ جیب میں گیا اور پھر باہر نکل آیا۔ اُس کی گرفت میں اعشاریہ دو پانچ کا ننھا سا پستول چمک رہا تھا۔ دوسرا آدمی چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"نکالو....!" جاوید کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ "وہ بنڈل میرے حوالے کردو۔ ورنہ یہیں ڈھیر کردوں گا۔"

دوسرا آدمی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

"نکالو....!" جاوید دانت پیس کر بولا۔

حمید کچھ کہنے کے لئے فریدی کی طرف پلٹا، لیکن وہ پھر غائب ہو چکا تھا۔ اُسے حیرت تو ہوئی لیکن وہ اس مسئلے کو ایک لمحے سے زیادہ کے لئے اپنے ذہن میں نہ رکھ سکا کیونکہ ہال کا منظر اُس سے کہیں زیادہ تحیر انگیز تھا۔

"اچھا! تو اب تم اس طرح دھمکاؤ گے۔" دوسرا آدمی جاوید سے کہہ رہا تھا۔

"پیکٹ نکالو۔" جاوید غرایا۔ اس کے جواب میں دوسرا آدمی جس نے اپنی حالت پر قابو پالیا تھا، ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ وہ پیکٹ اپنے ساتھ لاتا اور تم یہ بھی نہ سمجھو کہ میں تنہا ہوں۔"

دفعتاً حمید نے اپنے داہنے شانے پر بوجھ سا محسوس کیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک ریوالور کا ٹھنڈا لوہا اس کی کنپٹی سے چپک گیا۔

"چلو آواز نہ نکلے۔" بھاری بھرکم آدمی نے دریچے کی طرف اشارہ کیا۔ حمید چپ چاپ چلنے لگا۔ وہ اُسے ہال میں لے آیا۔ اتنی دیر میں نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اب وہاں کئی آدمی تھے اور جاوید فرش پر چت پڑا گہرے سانس لے رہا تھا۔ شاید اُسے بیہوش کر دیا گیا تھا۔ ایک آدمی جھک کر اُس کی تلاشی لینے لگا۔

"واقعی پندرہ ہزار لایا تھا۔" وہ نوٹوں کی ایک گڈی سنبھالتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

"ارے۔" وہ آدمی جو جاوید کے ساتھ آیا تھا، گھبرائے ہوئے انداز میں اپنی جیبیں ٹٹولتا ہوا بولا۔ "وہ پیکٹ کہاں گیا۔"

"کیا....!" بھاری بھرکم آدمی غرایا۔

"جی ہاں.... وہ پیکٹ میری اس جیب میں تھا۔"

"گدھے! اُلو کے پٹھے۔" بھاری بھرکم آدمی دانت پیس کر بولا۔ "اس کا گلا گھونٹ دو۔"

تین آدمی اُس پر ٹوٹ پڑے۔ اُس نے چیخنا چاہا، لیکن اس کا منہ دبا دیا گیا اور پھر حمید نے وہ منظر دیکھا کہ اُسے اپنی آنکھیں بند کر لینی پڑیں۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے سر پر بھی کوئی وزنی چیز ماری گئی اور وہ تکلیف کی شدت سے بوکھلا کر ایک آدمی پر جھپٹ پڑا۔ پھر دوسرا وار بیہوش ہی کر دینے والا ثابت ہوا۔ وہ لہرا کر فرش پر آ گرا تھا۔

خطرناک گروہ

حمید ایک تاریک کوٹھری کے فرش پر چت پڑا اپنے دکھتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا، جس کے پچھلے حصے کا ورم ایک دوسرا سر معلوم ہونے لگا۔ حمید نے دل ہی دل میں اپنے سر پر "ایک سہی ایک بٹا چار" کی پھبتی کہی اور پھر اپنے مقدر کو کوسنے لگا۔ اس کی زندگی میں اس قسم کا پہلا واقعہ نہیں تھا۔ وہ متعدد بار کئی خطرناک آدمیوں کے ہتھے چڑھ چکا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شاید فریدی نے پہلے ہی سے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ اسی لئے وہ کھسک گیا تھا۔

حمید پر پھر جھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ اُسے فریدی کا یہ طریقہ انتہائی ناپسند تھا کہ وہ اُسے بھاڑ میں جھونک کر خود الگ ہو جاتا تھا۔ اپنا مطلب نکالنے کے لئے دیدہ دانستہ اُسے خطرات کے حوالے کر دیتا تھا۔ لیکن ان خیالات کے باوجود بھی حمید کو یقین کامل تھا کہ فریدی اس کی طرف سے غافل نہ ہوگا۔

دفعتاً کوٹھری کا دروازہ چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھلا اور کسی نے اندر داخل ہو کر برقی روشنی کر دی۔ حمید کو دو ایسے آدمی نظر آئے جنہیں اُس نے میونسپل گارڈن کے دارالمطالعہ میں نہیں دیکھا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان کی گھنی ڈاڑھیاں مصنوعی ہیں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں پر تاریک شیشوں کے چشمے چڑھا رکھے تھے۔

"پیارے بزرگو۔" حمید نہایت ادب سے بولا۔ "میں اپنے پیروں سے چل سکتا ہوں، لیکن آپ نے میری ربر کی کاشت برباد کر دی۔ آج اتوار ہے یا جمعرات۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ اُن میں سے ایک حمید کا بازو مضبوطی سے تھامے ہوئے اُسے کوٹھری سے نکال رہا تھا۔ پھر وہ کئی راہداریوں سے گذرتے ہوئے ایک وسیع کمرے میں داخل ہوئے جہاں تقریباً پندرہ بیس آدمی اکٹھا تھے، لیکن ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جس نے اپنا چہرہ نقاب میں چھپا رکھا تھا۔ وہ اٹھ کر حمید کی طرف بڑھا جیسے وہ ایک معزز مہمان کی حیثیت سے اس کا استقبال کرنا چاہتا ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے حمید کی طرف بڑھایا.... حمید نے بھی کافی گرمجوشی کا اظہار کیا۔ ایک خالی کرسی پیش کی گئی۔ حمید دل ہی دل میں خود کو نڈر بنانے کی

کوشش کر رہا تھا۔

"اس وقت آپ کو اپنے درمیان پاکر ہم خوشی محسوس کر رہے ہیں۔" نقاب پوش نے کہا۔

"میں بھی باغ باغ ہو رہا ہوں۔" حمید اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"آپ شاید ناراض ہیں۔"

"نہیں تو! خوشی کے مارے میرا پیشاب خطا ہوا جا رہا ہے۔" حمید نے پھر اُسی لہجے میں کہا۔

"ہم مجبور تھے۔" نقاب پوش ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "اُس وقت اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی تدبیر نہیں سوجھی۔ ویسے ہم آپ کی دل سے قدر کرتے ہیں۔"

"آخر اس عزت افزائی کی وجہ۔"

"دیکھئے! جناب!" نقاب پوش ہنس کر بولا۔ "آپ کا یہ شریفانہ لہجہ مجھے پسند نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ بھی وہی ہیں، جو ہم ہیں۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں قلندر علی ہوں اور آپ دلدار خاں بھی ہو سکتے ہیں۔ تفضل حسین بھی آپ کا نام ہو سکتا ہے.... اور....!"

"آپ کی باتیں دلچسپ ہیں۔" نقاب پوش ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کاش ہم پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوتے۔"

"اگر جانتے بھی ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ "کیونکہ شائد میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔"

"کیوں.... کس طرح۔" نقاب پوش نے حیرت کا اظہار کیا۔

"بھلا بتلائیے۔ اگر یہی یاد ہوتا تو میں یہ کیوں کہتا کہ میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔ میاں مجھے تو اپنا نام بھی نہیں یاد رہ گیا۔"

"رفعت نعیم کا قتل تو یاد ہی ہوگا۔"

اس جملے پر حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا وہ لوگ اُسے پہچان گئے ہیں۔ وہ پھر آہستہ سے بڑبڑایا اور چند لمحے پُر خیال انداز میں نقاب پوش کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔ "اس نام سے کان تو کچھ کچھ آشنا معلوم ہوتے ہیں، لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے یہ نام کہاں سنا تھا۔"

"آپ کا سر تو بُری طرح دکھ رہا ہوگا۔"

"ہائیں....!" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا سر دکھ رہا ہے۔"

نقاب پوش کچھ نہ بولا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"بتایئے نا۔" حمید پھر بولا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ایک بار بھی آپ سے یہ نہیں کہا کہ میرا سر دکھ رہا ہے۔ کیا آپ روشن ضمیر ہیں۔"

"آپ کے سر میں کچھ دیر قبل چوٹ لگی تھی۔" نقاب پوش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

حمید بوکھلا کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا.... پھر اس کا ہاتھ سر کے اُس حصے پر رک گیا جہاں ورم ہو گیا تھا۔

"چوٹ....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ہے تو سہی.... مگر یہ کیسے لگی۔ مجھے کچھ یاد نہیں، آخر بتایئے نا کیا بات ہے۔"

دفعتاً نقاب پوش ہنس پڑا۔

"بھئی چوٹ لگی ہے اور آپ ہنس رہے ہیں.... واہ.... وا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"میرے دوست مجھے اُلو بنانے کی کوشش نہ کرو۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں پولیس کا وہ سب انسپکٹر نہیں ہوں جسے تمہارے ساتھی نے غسلخانے میں بیہوش کر دیا تھا۔"

"شاید آپ بہت زیادہ پی گئے ہیں۔" حمید ہنس پڑا۔

"ختم کرو یہ ڈھونگ" نقاب پوش نے کہا۔ "کام کی باتیں کرو۔ میں بزنس کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور کیجئے۔ بہت اچھی چیز ہے۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر میں ہوں کہاں اور آپ کون لوگ ہیں۔ میری بدتمیزی معاف کیجئے گا۔ میں نے ابھی تک آپ لوگوں سے آپ کے متعلق کچھ نہ پوچھا۔"

"کیا میونسپل گارڈن کے دارالمطالعہ میں آپ ہمارے متعلق کوئی اندازہ نہیں لگا سکے۔"

"نہ جانے آپ کیسی بے سروپا باتیں کر رہے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر چیخا۔

"میں نے اس سے پہلے آپ لوگوں کو کہیں نہیں دیکھا اور پھر آپ اپنی بات کر رہے ہیں۔

آپ کی آواز میں تو زنانہ پن تھا، لیکن آپ مجھے کوئی پردہ نشین خاتون معلوم ہوتے ہیں۔"

کمرے کے بہتیرے آدمی ہنس پڑے، لیکن نقاب پوش کی گھورتی ہوئی آنکھوں نے انہیں اس طرح خاموش کر دیا جیسے قہقہوں میں اچانک بریک لگ گئے ہوں۔

"دیکھیئے جناب۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "آپ ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کریں تو بہتر ہے۔"

"اچھا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب بیوقوف نہ بناؤں گا۔" حمید نے بڑے سعادتمندانہ لہجے میں کہا۔

"آپ نہیں باز آئیں گے۔" نقاب پوش گرج کر بولا اور حمید بوکھلا کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ نقاب پوش کا مخاطب کون ہے۔

"اے۔" نقاب پوش نے اپنے ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔ "اسے دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔ ان گدھوں کے بغیر بھی ہمارا کام چل سکتا ہے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ شرافت سے کوئی معاہدہ ہو جائے۔"

"دیکھتا ہوں۔ کون دھکے دے کر نکالتا ہے۔" حمید بپھر گیا۔ "تم کون ہو نکالنے والے یہ میرا مکان ہے، تم بغیر اجازت اندر کیوں گھس آئے۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں ابھی تک میں مذاق سمجھ رہا تھا۔"

ایک آدمی حمید کی طرف بڑھا۔ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے دو آدمیوں نے اُسے پکڑ لیا اور ایک تیسرے آدمی نے اس کی آنکھوں پر چمڑے کا توبڑا چڑھا دیا۔

"ارے مرا۔" حمید چیخا۔ "دوڑو بچاؤ۔"

"برخوردار ابھی تمہارے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔" نقاب پوش مسکرا کر بولا۔

"دہی کی ہوگی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "آج صبح میں نے لسی پی تھی۔"

"باہر پھینک دو اسے۔" نقاب پوش دوبارہ چیخ کر بولا۔

شاید چار آدمیوں نے حمید کو ٹانگ لیا۔ اُس کی آنکھیں توبڑے کی وجہ سے بند ہو چکی تھیں۔ اتنا اُسے اچھی طرح یاد رہا کہ وہ لوگ اُسے اٹھائے ہوئے دس پندرہ منٹ تک چلتے رہے تھے۔

پھر کسی جگہ اس کے پیر زمین سے لگے اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں پر چمڑے کا تسمہ اب بھی چڑھا ہوا تھا۔ وہ کسی کے بولنے کا انتظار کرتا رہا مگر اُسے کسی قسم کی بھی آواز سنائی نہ دی۔

"میرے پیارے دوستو۔" حمید آہستہ سے بولا۔

لیکن جواب ندارد۔ قریب یا دور کسی قسم کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔

حمید نے اپنی آنکھوں پر سے چمڑے کا تسمہ ہٹادیا، لیکن اس کے علاوہ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ وہ رون آدمی غائب ہو چکے تھے۔ دور تک سنسان جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور رات اندھیری ۔ بیکراں نیلگوں وسعتوں میں تارے چمک رہے تھے۔

حمید دو یا تین بار زور زور سے کھانسا لیکن اس پر بھی اُسے کوئی آواز نہ سنائی دی۔ اس کے پھڑے تازہ ہوا پاکر زور زور سے پھولنے اور پچکنے لگے۔ رات اندھیری ہونے کے باوجود بھی شگوار تھی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کدھر جائے۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ شہر کس سمت میں تا۔ پورا شہر ہی اس کا دیکھا ہوا نہیں تھا، چہ جائیکہ اُن اطراف کے جنگل۔ وہ تن بتقدیر ایک ف چل پڑا۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ آخر انہوں نے اسے اس طرح ڑ کیوں دیا، حالانکہ اس نے انہیں ایک قتل کا مرتکب ہوتے دیکھ لیا تھا۔ آخر وہ لوگ کون تھے اس سے کیا چاہتے تھے۔

حمید چلتا رہا اور سوچتا رہا۔ اچانک اس کے پیر سخت قسم کی زمین سے ٹکرا کر گونج پیدا کرنے ۔ اُس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔

اب وہ ایک پختہ سڑک پر چل رہا تھا، جس کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں تھیں۔ دفعتاً کسی ف سے ایک آدمی اُس پر ٹوٹ پڑا۔ حمید خود کو سنبھالتے سنبھالتے ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے لمحے وہ دوسرا آدمی اُس کے سینے پر سوار تھا۔

"اب تم مجھے گرا کر سیدھے بھاگتے چلے جاؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تمہارے جیب میں ایک خط ہے۔ زور کر کے اٹھو اور مجھے گرا کر بھاگو۔ شہر کا سیدھا راستہ۔"

حمید کو زور لگانے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی۔ وہ آدمی خود ہی اچھل کر دور جا گرا اور لر بھاگا۔ دوسرے آدمی نے زمین سے اٹھتے اٹھتے اس پر دو تین فائر کر دیئے اور پھر حمید کے دوڑنے لگا۔ اس نے پے درپے دو تین فائر اور کیئے۔

حمید اپنے پیچھے کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہی رہا۔ یکا یک اس

نے ایک ساتھ کئی فائروں کی آوازیں سنیں، لیکن اب تعاقب کرنے والوں کے قدموں
آوازیں نہیں آرہی تھیں۔ متواتر آدھ گھنٹے تک وہ دوڑتا رہا۔ دس پانچ منٹ دم لینے کے بعد وہ
چل پڑتا۔ کچھ دور پر بہت سی روشنیوں کے چھوٹے چھوٹے دھبے دکھائی دینے لگے تھے۔ شائد
نزدیک تھا۔

شہر پہنچ کر وہ سب سے پہلے ایک کیفے میں گھس گیا۔ ایک کیبن میں اطمینان سے بیٹھنے
بعد اس نے وہ کاغذ کا ٹکڑا نکالا جس پر پنسل سے شکستہ حروف میں تحریر تھا۔

"شہر پہنچ کر ایک اصیل مرغ خرید لینا اور اُسے لئے ہوئے سیدھے پروفیسر جھوس کے یہ
چلے جانا۔ وہ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہوگا اور بس۔ اب تمہیں کئی دن کے لئے چھٹی ۔
آرام کرو اور باتیں بناؤ۔"

تحریر فریدی ہی کی تھی۔ حمید اس کا طرز تحریر اچھی طرح پہچانتا تھا اور پھر اگر وہ فریدی
ہوتا تو اُسے خود کو گرانے کے لئے کیوں کہتا۔ اس نے اس کی آواز بھی صاف پہچان لی تھی۔

حمید نے دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھا۔ آٹھ بج رہے تھے۔ اُس پر
جھنجھلاہٹ کا دورہ پڑا۔ آخر اس وقت اصیل مرغ کہاں تلاش کرتا پھرے گا۔

اُس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ ابھی تک گوشت کا مارکٹ کھلا ہوا تھا۔ بہر حال وہ ایک ا
مرغ خریدنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اور یہ بھی سچی بات تھی کہ ڈاکٹر جھوس اس کا منتظر تھا۔ اُس نے اُسے برآمدے میں
دیکھا۔

"ہلو مائی ڈیئر۔" وہ حمید کی بغل میں مرغ دبا ہوا دیکھ کر چیخا۔ "میں آپ کا منتظر تھا۔
پروفیسر کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ اور وہ دونوں ساتھ ہی تشریف لائیں گے او
نہیں آئے.... میں مغموم ہوں۔"

"کیا پروفیسر آئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں! سامان لے کر آئے تھے۔ میں نے آپ دونوں کے کمرے ٹھیک کرا دیئے ۔
اوہو! کیا آپ کہیں گر پڑے تھے۔"

پروفیسر حمید کی پشت سے مٹی جھاڑنے لگا۔

"جی اس مرغ نے راستے میں تھوڑا پریشان کیا تھا۔"

"اوہو دیکھوں تو۔" پروفیسر اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر تولتے ہوئے بولا "ہے زوردار۔"

"فی الحال ڈاکٹر زیٹو نے اُسے نامرغ کر دیا ہے۔"

"او پلیز مائی ڈیئر! ذرا آہستہ۔ بے بی برابر والے کمرے میں ہے۔" پروفیسر آہستہ سے بولا۔

"میں نے ڈاکٹر زیٹو سے سنا ہے کہ وہ ٹماٹر سے نفرت کرتی ہیں۔"

"چہ چہ! خبردار ٹماٹر کا تذکرہ اس کے سامنے نہ آنے پائے۔ ورنہ ہر بات کے آپ ہی ذمہ دار ہوں گے۔ ویسے بے بی بڑی اچھی لڑکی ہے۔ دوسروں کی عزت کرنا جانتی ہے۔ تھوڑی غصہ ور ہے۔ بس ذرا اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے۔ چلئے میں آپ کا کمرہ دکھادوں۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھئے اور ہاں بے بی سے کبھی بحث نہ کیجئے گا۔ خیال رہے ٹماٹر کا۔"

ایک نئی دریافت

دوسری صبح خوشگوار ضرور تھی مگر حمید کے جوڑ جوڑ میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے طلوع آفتاب کا حسین منظر دیکھتے ہوئے انگڑائی لی، اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اُس کی نظریں ان تین سوٹ کیسوں پر جمی ہوئی تھیں، جو فریدی ہی نے پروفیسر کے یہاں پہنچائے تھے۔ اس نے ابھی تک انہیں کھولا بھی نہیں تھا۔

پائپ ختم کر چکنے کے بعد وہ اٹھا۔ سوٹ کیس کھولے۔ ان میں ریڈی میڈ کپڑے موجود تھے۔ حمید نے اپنے لئے ایک عمدہ سا سوٹ منتخب کیا اور قمیض کے ساتھ ٹائی کا میچ تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لباس تبدیل کر کے برآمدے میں آیا تو اس کی شخصیت ہی بدل چکی تھی۔ سلیمہ نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور اپنے بڑے بالوں والے کتے کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ سلیمہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر پام کے گملے کی اوٹ میں اسلم بیٹھا شیو کر رہا تھا۔

"صبح بخیر محترمہ۔" حمید نے قدرے جھک کر کہا۔

"یہ صبح بخیر کیا چیز ہوتی ہے۔" سلیمہ اُسے گھور کر بولی۔ "السلام علیکم نہیں کہہ سکتے تھے آپ۔ آپ کا نام شائد ساجد ہے۔ مسلمان ہی ہوں گے۔"

"مجھے افسوس ہے مجھ سے غلطی ہوئی۔" حمید نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ سلیمہ کے چہرے کی سختی نرماہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

"رات آپ کو تکلیف تو نہیں ہوئی۔" اس نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔

"بہت آرام سے سویا۔ اپنے گھر پر بھی اتنا آرام نہ ملتا۔ آپ کی کوٹھی شائد اس شہر میں سب سے بہتر ہے۔"

"آپ بہت معاملہ فہم آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" اسلم نے ہنس کر حمید کو مخاطب کیا۔ "ہم لوگ آپ کی تشریف آوری سے بے حد خوش ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ٹماٹر کی تعریف نہیں کریں گے۔"

"اسلم تم سور ہو۔" سلیمہ جھنجھلا کر کھڑی ہو گئی۔ "بالکل بدتمیز ہو.... تم میرے سامنے مت آیا کرو۔ ورنہ کسی دن....!"

"آج میں ہمیشہ کیلئے جا رہا ہوں۔" اسلم نے فلم کے ہیرو کی طرح ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"بکواس ہے۔ تم ہمیشہ میرے لئے باعث کوفت بنے رہو گے۔"

"اوہ تو کیا تمہیں منظور ہے۔" اسلم خوش ہو کر بولا۔

"شٹ اپ۔" سلیمہ حلق کے بل چیخی اور پیر پٹختی ہوئے اندر چلی گئی۔

"بیٹھئے نا آپ کھڑے کیوں ہیں۔" اسلم نے حمید سے کہا۔

"آپ نے محترمہ کو ناخوش کر دیا۔" حمید بیٹھتا ہوا غمناک لہجے میں بولا۔

"کریک ہے۔" اسلم نے اپنی کنپٹی کے قریب انگلی نچاتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا تم نے۔" سلیمہ جھپٹ کر کمرے سے نکلی اور اسلم کے ہاتھ سے سیفٹی ریزر چھوٹ پڑا۔

"کک کچھ بھی تو نہیں۔" اسلم ہکلایا۔

"میں کریک ہوں؟" سلیمہ گرجی۔

"ارے بھئی یہ کیا صبح ہی صبح...." پروفیسر جھوس ایک کمرے سے نکلتا ہوا بولا۔

"یہ ڈفر مجھے کریک کہتا ہے۔" سلیمہ نے چیخ کر کہا۔

"کیوں اسلم میاں خواہ مخواہ ہنگامہ برپا کر رہے ہو۔" پروفیسر بولا۔

"آپ بھی مجھے ہی کہنے لگے۔ سلیمہ نے مجھے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔"

"ارے شرم نہیں آتی تمہیں جھوٹ بولتے ہوئے۔" سلیمہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

"اب آپ خود سوچئے۔" اسلم رونی صورت بنا کر بولا۔ "کیا آپ کے بڑے بھائی اُلو تھے۔"

"نہیں یہ غلط ہے۔" پروفیسر جلدی سے بولا۔ "بے بی تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

"میں نے نہیں کہا۔ یہ جھوٹا ہے۔" سلیمہ جھلاہٹ میں اپنے بال نوچنے لگی۔

"ارے ارے!" پروفیسر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اس پر سلیمہ جو چیخ مار کر روتی ہے تو پوری کوٹھی سر پر اٹھالی۔

پروفیسر اُسے لے کر اندر چلا گیا۔

"آپ نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے اسلم سے کہا۔ اسلم اس انداز سے ڈاڑھی بنانے میں مشغول ہو گیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

"چھوڑیئے بھی۔" اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "یہ تو روز کی تفریح ہے۔"

"ان کا مضمون فلسفہ تو نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں یہ فلسفے میں ایم۔اے کر رہی ہیں۔" اسلم بولا۔ "مگر میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ شادی اسی سے کروں گا خواہ یہ فلسفے کے ساتھ ہی ساتھ چینی زبان بھی سیکھ لے۔"

"نبھ جائے گی؟" حمید نے پوچھا۔

"خوب نبھے گی جناب۔ مجھے لڑنے جھگڑنے والی عورتیں بہت پسند ہیں۔ سیدھی سادی عورتیں مجھے شلجم یا مونگ کی دال معلوم ہوتی ہیں۔"

"بہت خوب۔" حمید مسکرایا۔ "آپ تو مجھے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔"

"بس مقدر خراب تھا کہ پہلی اور آخری غزل میں نے چودہ سال کی عمر میں کہی تھی۔"

"تو اب ایک ٹماٹر نامہ لکھ ڈالئے۔"

"اوہو! تو کیا آپ جانتے ہیں۔" اسلم نے حیرت سے کہا۔

"دوران گفتگو میں پروفیسر نے بتایا تھا۔ آخر آپ بیچاری کو کیوں چھیڑتے ہیں۔"

کمپاؤنڈ میں ایک کار کے داخلے نے سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔ کار میں دو عدد باوردی اور مسلح پولیس کانسٹیبل تھے۔ تیسرا آدمی سفید قمیض اور سفید پتلون میں ملبوس تھا۔ اس کی شخصیت صحیح معنوں میں جاذب توجہ تھی۔ عمر تو چالیس اور پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی، لیکن اعضاء

چوڑے چکلے اور مضبوط تھے۔ پیشانی کشادہ اور محراب دار تھی۔

"کیا پروفیسر موجود ہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر حمید سے پوچھا۔

"جی ہاں.... فرمایئے۔" اسلم سیفٹی ریزر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کوتوال صاحب کی آمد کی اطلاع کر دیجئے۔" ایک سب انسپکٹر بولا۔ اتنے میں پروفیسر خود ہی باہر آگیا۔ وہ پولیس والوں کو اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھتا ہوا بولا۔ "اوہو! ڈی۔ ایس۔ پی صاحب! تشریف لایئے! تشریف لایئے۔"

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ حمید نے اس موقع پر پیچھے رہنا مناسب نہ سمجھا۔ ان کے ساتھ ہی وہ بھی ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

"آپ پبلک لائبریری کے ممبر ہیں۔" کوتوال نے پروفیسر کو مخاطب کیا۔

"جی ہاں.... جی ہاں۔ میں یہاں کی کئی لائبریریوں کا ممبر ہوں بلکہ دو ایک تو میری سرپرستی ہی میں چل رہی ہیں.... فرمایئے۔"

"میں آپ کا پبلک لائبریری والا کارڈ دیکھنا چاہتا ہوں۔" کوتوال نے کہا اور اپنی باریک ترشی ہوئی نوکدار مونچھوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ٹھہریئے.... میں دیکھتا ہوں۔" پروفیسر نے گھنٹی بجائی۔ دوسرے لمحے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"دیکھو.... ذرا.... وہ سیاہ ٹرے لیبارٹری سے اٹھا لاؤ۔"

"آخر....!" وہ چند لمحے بعد بولا۔ "پولیس کو میرے لائبریری کے کارڈ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"ابھی عرض کرتا ہوں۔"

نوکر سیاہ رنگ کی ٹرے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس نے چھوٹی میز پر ٹرے رکھ کر اُسے پروفیسر کے سامنے کھسکا دیا۔ پروفیسر اس میں رکھے ہوئے کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا۔ وہ بڑے انہماک کے ساتھ پبلک لائبریری کا کارڈ تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کوتوال کی طرف دیکھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ صرف وہی کارڈ اس میں موجود نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ نے کسی کو دیا تو نہیں۔"

"ٹھہریئے میں بتاتا ہوں۔" پروفیسر نے کہا پھر نوکر سے بولا۔ "ذرا اسلم کو بھیج دو۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پروفیسر کچھ مضطرب سا نظر آرہا تھا لیکن اس نے اس معاملے کے متعلق پھر کچھ نہیں پوچھا۔

"اسلم میاں۔" وہ اسلم کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ "کیا پبلک لائبریری والا کارڈ تمہارے پاس ہے۔"

"پبلک لائبریری والا کارڈ۔" اسلم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا وہ ابھی واپس نہیں آیا۔"

"کہاں سے واپس نہیں آیا۔" پروفیسر اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"بہت عرصہ ہوا جاوید بھائی لے گئے تھے۔ انہیں شاید کسی کتاب کی ضرورت تھی۔"

"لیکن جانتے ہو۔" پروفیسر بگڑ کر بولا۔ "یہ اصول کے خلاف ہے۔ تم نے اُسے کارڈ کیوں لے جانے دیا تھا۔"

"سلیمہ نے دیا تھا۔"

"کسی نے بھی دیا ہو۔" پروفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "جو چیز اصول کے خلاف ہے وہ ہر حال میں اصول کے خلاف رہے گی۔ کیوں جناب۔" وہ حمید کی طرف مخاطب ہو گیا۔

"جی ہاں جناب.... قطعی۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"بہر حال آپ کا کارڈ ایک لاش کے قریب پایا گیا ہے۔" کوتوال بولا۔

"جی کیا مطلب۔" پروفیسر بے اختیار اچھل پڑا۔

"جی ہاں۔" کوتوال سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "پبلک لائبریری کے اوپر ہال میں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔ ذرا جلدی سے وضاحت کیجئے ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"جاوید آپ کا عزیز ہے۔"

"جی ہاں ہے تو۔"

"آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ رفعت نعیم کی بیوی کا قاتل ہے۔"

"یہ ابھی کس طرح کہا جا سکتا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "ابھی تو مقدمے کی سماعت بھی نہیں شروع ہوئی۔"

"مقتولہ کے پاس اس کا رومال پایا گیا تھا اور اس نے اس کی شناخت کی تھی۔"

"تو پھر جس لاش کے پاس میرا کارڈ پایا گیا اس کا قاتل میں ہوں گا۔" پروفیسر تلخ لہجے میں بولا۔

"آپ پوری بات تو سن لیجئے۔" کوتوال مسکرا کر بولا۔

"سنائیے! ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"لاش کے قریب ہی جاوید بیہوش حالت میں پایا گیا ہے اور آپ کا کارڈ دراصل جاوید ہی کی جیب میں تھا۔ جاوید کے جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا ایک پستول بھی برآمد ہوا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ پستول کا لائسنس جاوید بھائی کے پاس تھا۔" اسلم بول پڑا۔

"آپ کا خیال درست ہے، لیکن آخر پستول جیب میں لئے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"کیا مقتول اُسی پستول کی گولی سے ہلاک ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ سب تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوگا۔" کوتوال نے کہا۔ "میں تو اتنا جانتا ہوں کہ وہ گولی جاوید کے پستول سے چلائی گئی تھی اور اس پر جاوید کے انگلیوں کے نشانات بھی پائے گئے ہیں۔"

"اور خود جاوید بیہوش پایا گیا ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "گویا جاوید گولی مارنے کے بعد بیہوش ہو گیا تھا۔ اگر وہ ایسے ہی کمزور دل کا تھا تو اس نے گولی ہی کیوں چلائی۔ آپ کے بیان کے مطابق وہ اس سے پہلے بھی ایک قتل کا مرتکب ہو چکا ہے، لہٰذا تجربہ کار ہے اُسے قتل کے بعد بیہوش تو نہ ہونا چاہئے۔"

"آپ واقعی بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" کوتوال طنزیہ لہجے میں بولا۔ "لیکن اس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی۔"

"جاوید پھر گرفتار کر لیا گیا؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"لازمی امر ہے۔" کوتوال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کی ضمانت بھی ضبط ہو گئی ہے۔"

"مجھے اس لڑکے کے لئے افسوس ہے۔" پروفیسر بولا۔ "یقیناً کوئی اُسے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" کوتوال نے کہا۔ "کیا وہ کل آپ کے یہاں آیا تھا۔"

"جی نہیں.... میں نے اُسے مہینوں سے نہیں دیکھا۔"

"پھر وہ آپ کا کارڈ کب لے گیا تھا۔"

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم.... کیوں اسلم؟"

"میرا خیال ہے کہ یہ رفعت کی بیوی کے قتل سے پہلے کا واقعہ ہے۔" اسلم نے کہا۔

"آپ جاوید کے دوستوں میں سے ہیں۔" کوتوال نے اسلم سے پوچھا۔

"نہیں ہم میں بے تکلفی نہیں کیونکہ وہ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔"

"بہر حال آپ اس کے عادات واطوار اور ملنے جلنے والوں سے تو واقف ہی ہوں گے۔"

"قطعی نہیں.... میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک خوش اخلاق اور علم دوست آدمی ہیں۔ ملنے جلنے والوں سے میری واقفیت نہیں۔"

"اس شخص کو آپ نے کبھی دیکھا ہے۔" کوتوال نے جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے وہ تصویر اسلم کی طرف بڑھادی۔

اسلم اُسے بغور دیکھنے لگا۔ پروفیسر اور حمید بھی اُسے دیکھنے کے لئے آگے کی طرف جھک آئے۔ حمید ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ اسی آدمی کی تصویر تھی جو جاوید کو پبلک لائبریری میں لے گیا تھا۔ پروفیسر اسلم کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں نے اُسے کہیں دیکھا ہے۔" اسلم آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کبھی جاوید کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ روزانہ سینکڑوں صورتیں نظر سے گذرتی ہیں اور اُن میں سے کچھ ایسی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں، جو عرصے تک یاد رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی اچھی شخصیت کا حامل ہے۔ اس نے کبھی نہ کبھی میری توجہ اپنی جانب منعطف کرائی ہوگی۔"

"یہ اُسی آدمی کی تصویر ہے۔" کوتوال نے کہا۔ "جس کی لاش پبلک لائبریری میں پائی گئی۔"

کچھ دیر کے لئے خاموشی ہوگئی۔ پھر پروفیسر اسلم سے بولا۔

"ارے بھئی! کوتوال صاحب کے لئے چائے.... تم بڑے بد اخلاق بچے ہو۔"

"نہیں پروفیسر شکریہ۔" کوتوال اٹھتا ہوا بولا۔ "ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔ ویسے میں آپ کو یہ اطلاع دینے کیلئے آیا تھا کہ اس کارڈ کی وجہ سے ممکن ہے کہ آپ بھی عدالت میں طلب کئے جائیں۔"

"فکر نہیں۔" پروفیسر لاپروائی سے بولا۔ "کسی زمانے میں مجھے شاعری اور مقدمے بازی

سے بڑی دلچسپی تھی اور میں دوسروں کے مقدمات کی پیروی مفت کرتا تھا۔"

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" کوتوال نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے خود بھی اس لڑکے سے ہمدردی ہے مگر کیا کروں۔ حالات سراسر اس کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں۔ میں بھی اسے ایک اچھے لڑکے کی حیثیت سے جانتا تھا۔"

کوتوال کے چلے جانے کے بعد پروفیسر اسلم پر چنگھاڑنے لگا۔

"کیا مصیبت ہے تم لوگ اتنے گدھے کیوں ہو گئے ہو۔ تم نے اسے میرا کارڈ کیوں لے جانے دیا تھا۔ عدالت میں یہ معاملہ پیش ہوگا۔ سراسر اصول کے خلاف ہے۔ سنا تم نے پروفیسر ٹی۔اے جھوس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" اسلم بولا۔

"بس بس! ابکو نہیں، ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔ کوئی بات ہی نہیں انگلستان میں لوگ دوسروں کے کارڈ پر کتابیں نہیں ایشو کراتے۔ تم لوگوں نے پروفیسر ٹی۔اے جھوس کو ساری دنیا میں بدنام کر دیا۔ اف فوہ! اُس کے متعلق اخبارات چہ میگوئیاں کریں گے اور یہ اخبارات انگلینڈ جائیں گے، امریکہ جائیں گے روس جائیں گے، فرانس اور جرمنی جائیں گے.... اور پروفیسر ٹی۔اے جھوس۔"

پروفیسر کی آواز بھرا گئی۔ اس کا چہرہ مغموم نظر آنے لگا تھا۔ آخر اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

بوں ڑر'

پروفیسر جھوس کے یہاں رہتے ہوئے حمید کو تین دن ہو گئے تھے اور اس دوران میں ایک بار بھی فریدی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ پروفیسر اکثر اس کے متعلق پوچھتا رہتا تھا لیکن حمید کو ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ تراشنا پڑتا تھا۔

اس دوران میں اسے لنگڑی کوٹھی بھی دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ کئی دنوں سے اخبار نویسوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی تھی۔ یہ ایک بوسیدہ سی عمارت تھی جس کا بیشتر حصہ کھنڈر ہو چکا تھا لیکن

سڑک کی طرف کے حصے کو دیکھنے والا یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس مستحکم دیوار کے پیچھے ویرانی ہوگی۔ کھنڈر ہوں گے۔ ملبے کے ڈھیر میں دبی ہوئی کرم خوردہ چوکھٹیں ہوں گی۔ شکستہ دیواریں ہوں گی جن پر پتلی اور لمبی پتیوں والی گھاس اُگ آتی ہوگی۔

سڑک کی طرف کے حصے میں بالائی منزل پر تین کھلے ہوئے دریچے تھے جن کا پا! سر سالہا سال سے کائی جمے رہنے کی وجہ سے سیاہ ہو گیا تھا اور دراڑوں میں گھاس اُگ آئی تھی۔ انہیں دریچوں کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اکثر راتوں میں چیختے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں اور ان میں مختلف رنگوں کی روشنیاں دکھائی دیتی ہیں اور یہ بھی حقیقت تھی کر انہیں دریچوں کے پیچھے رفعت نعیم کی بیوی کی لاش پائی گئی تھی اس عمارت کے مقابل سڑک کی دوسری جانب جدید طرز کی ایک کوٹھی تھی جس میں جاوید کا خاندان آباد تھا۔ اسی لائن میں اور بھی کئی اچھی عمارتیں تھیں لیکن لنگڑی کوٹھی کی طرف کا حصہ بالکل ویران تھا۔ البتہ فصلوں پر یہاں چاروں طرف ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے کھیت نظر آتے تھے۔ جاوید کے آباؤ اجداد کے زمانہ میں دراصل یہ ایک دیہی علاقہ تھا اور یہاں صرف لنگڑی کوٹھی ہی ایک بڑی عمارت تھی جس کے مکین یہاں کے جاگیردار کہلاتے تھے۔

وقت کے ساتھ ہی ساتھ جلال آباد بھی آگے بڑھتا رہا، حتی کہ وہ اس علاقے سے آملا جہاں لنگڑی کوٹھی واقع تھی اور اب اس دیہی علاقے کا شمار بھی جلال آباد ہی کی بستیوں میں ہونے لگا تھا۔

بہر حال آج کل لنگڑی کوٹھی جلال آباد والوں کے لئے ایک دلچسپ موضوع گفتگو بنی ہوئی تھی۔ دن بھر یہاں لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی لیکن شام ہوتے ہی پھر یہاں قبرستان کا سا سناٹا چھا جاتا تھا۔ خصوصاً رات کو تو کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ لنگڑی کوٹھی کے قریب سے گذر ہی جائے۔ اس سلسلے میں ایک بات اور بھی مشہور تھی وہ یہ کہ یہاں وہ چیخیں صرف جمعرات کی شام کو سنی جاتی ہیں ورنہ ویسے سناٹا ہی رہتا ہے۔

ایک رات ایک اخبار کے منچلے رپورٹر نے لنگڑی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی، لیکن اس کی حدود میں قدم رکھتے ہی نہ جانے کدھر سے اس پر چنگھاریاں برس پڑی تھیں وہ بھی دو چار نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں لیکن وہ جلا نہیں تھا۔ اس کی خبر مشہور ہوتے ہی قرب وجوار کے لوگ اور زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔

حمید کے لئے پروفیسر جھوس کا گھر کافی آرام دہ تھا۔ تفریح کے لئے اسلم اور سلیمہ موجود تھے اور سر مارنے کے لئے خود پروفیسر تھا۔ وہ پروفیسر سے بے تکی بحثیں چھیڑ کر اسے دیر تک پریشان کیا کرتا تھا لیکن فریدی کا یہ بیان کہ پروفیسر معمولی پڑھا لکھا آدمی تھا کسی طرح اس کے حلق سے نہیں اترا تھا۔ اس نے کئی بار خالص علمی قسم کے مباحث چھیڑ کر پروفیسر کو آزمایا تھا اس نے محسوس کیا تھا کہ پروفیسر کی معلومات وسیع ہیں اور وہ کئی علوم پر گہری نظر رکھتا ہے۔

آج صبح ہی سے سلیمہ کچھ کھوئی کھوئی سی نظر آ رہی تھی اور اسلم بھی صبح ہی سے غائب ہو گیا تھا۔

ناشتے کی میز پر بھی وہ کچھ نہیں بولی تھی اور پروفیسر بھی خاموشی ہی سے ناشتہ کر تا رہا تھا اس کی آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے رات بھر جاگتا رہا ہو۔

"آپ کچھ خاموش ہیں۔" حمید نے سلیمہ سے کہا۔

"کچھ کیا میں بالکل خاموش ہوں۔" سلیمہ اسے گھورتی ہوتی بولی۔

"کیا طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کو لفظ "کچھ" سے اتنی انسیت کیوں ہے۔ ہر بات میں "کچھ" ضرور استعمال کرتے ہیں۔"

"شاید مجھے کچھ ہو گیا ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ اس پر پروفیسر سر جھکا کر اُسے اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چشمہ اتار کر شیشے صاف کئے اور اس دوران میں وہ حمید کو الوؤں کی طرح دیکھتا رہا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو۔" سلیمہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"معدے کی خرابی۔" پروفیسر بڑبڑایا۔

"ڈیڈی پلیز!" سلیمہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔ "دو آدمیوں کی گفتگو میں دخل نہیں دیا کرتے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" پروفیسر بڑبڑاتا ہوا میز سے اٹھ گیا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

"اٹس آل رائٹ۔" سلیمہ نے سنجیدگی سے کہا۔

پروفیسر شاید اپنی لیبارٹری کی طرف جا رہا تھا۔

"اسلم صاحب کہاں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

''جہنم میں۔'' سلیمہ نے حمید کو گھور کر کہا۔ ''مجھے اسلم کا تذکرہ کرنے والوں سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔ سمجھے آپ۔''

''آپ بھی غیر ضروری الفاظ بولنے لگی ہیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''بھلا یہاں 'سمجھے آپ' کا ٹکڑا لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ ظاہر ہے کہ میں ناسمجھ نہیں اور آپ نے یہ جملہ نہ تو لاطینی میں کہا تھا اور نہ سنسکرت میں۔''

''مجھے افسوس ہے۔''

''اب افسوس کرنے سے کیا فائدہ میری توہین تو ہو ہی چکی۔ آپ نے مجھے ذلیل کر دیا۔'' حمید کی آواز کچھ تیز ہو گئی اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

سلیمہ بے بسی سے اُسے دیکھ رہی تھی اور وہ اس طرح بوکھلا گئی تھی جیسے نادانستگی میں اس کے ہاتھ سے بندوق چل گئی ہو۔

حمید کے گالوں پر دو آنسو ڈھلک آئے۔

''ارے ارے۔'' سلیمہ پاگلوں کی طرح بولی۔ ''میں معافی چاہتی ہوں۔ آپ عجیب آدمی ہیں۔''

''اب دوسری توہین۔'' حمید نے آنسوؤں کے دوسرے ریلے کے ساتھ کہا۔ ''عجیب آدمی تو پاگل کو کہتے ہیں۔''

''میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔''

''لیکن دل کا وہ زخم تو واپس نہیں لے سکتیں۔'' حمید کے آنسو تیزی سے چلنے لگے۔

''ارے ارے.... آپ بڑے کمزور دل کے آدمی ہیں۔''

''میں کیا کروں! میری ماں میری پیدائش سے پہلے ہی مر گئی تھی۔''

سلیمہ اُسے حیرت سے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔''

''وہ میرے باپ کی پہلی بیوی تھی۔'' حمید آنسو خشک کرتا ہوا بولا۔ ''میں دوسری بیوی سے ہوں۔''

''ہائیں! یہ کیا بات ہوئی۔ اس سے آپ پر کیا اثر پڑتا ہے۔''

''آپ نے پھر غیر ضروری الفاظ استعمال کئے۔'' حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''ہائیں اور یہ کیا بات ہوئی کے بغیر بھی آپ اپنا مدعا ظاہر کر سکتی تھیں۔''

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" سلیمہ بے بسی سے بولی۔

"اُف فوہ! پھر آپ نے میری توہین کی۔" حمید پھر رو پڑا۔

"ارے ارے۔" وہ بوکھلا کر بولی پھر یک بیک چیخنے لگی۔ "ڈیڈی۔ڈیڈی۔"

پروفیسر شائد ادھر ہی آرہا تھا.... اُسے اس طرح چیختے سن کر اُس نے اپنی رفتار تیز کردی۔

"کیا بات ہے.... کیوں چیخ رہی ہو۔" اس نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا پھر اس کی نظر حمید پر پڑی، جو اپنی آنکھوں پر رومال رکھے ہوئے سسک رہا تھا۔

"کیا بات ہے.... کیوں چیخی تھیں۔" پروفیسر نے سلیمہ سے پوچھا۔

سلیمہ نے حمید کیطرف اشارہ کردیا لیکن کچھ بولی نہیں، وہ بہت زیادہ پریشان نظر آرہی تھی۔

"ارے آپ کیوں رو رہے ہیں۔" پروفیسر حمید کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"مجھے دکھ پہنچایا گیا ہے۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کس نے دکھ پہنچایا.... کیا بات ہے۔" پروفیسر سلیمہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں کیا بتاؤں۔"

"کوئی نہیں بتائے گا۔" پروفیسر بڑبڑایا۔ "مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"محترمہ سلیمہ نے میرا دل دکھایا ہے۔" حمید ہچکی لے کر بولا۔

"ہائیں.... سلیمہ.... یہ کیا۔" پروفیسر اس کی طرف مڑا۔

"میں کیا جانوں، میں نے کب دکھایا ہے۔"

"محترمہ سلیمہ نے....!" حمید نے رک رک کر کہا۔ "میرے باپ کی پہلی بیوی کو میری ماں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔"

"اور آپ رونے لگے۔" پروفیسر نے حیرت سے کہا۔

حمید نے سر ہلا دیا۔

"کمال کر دیا آپ نے۔ کیا آپ پر بھی بے بی کی صحبت کا اثر ہوا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں! ڈیڈی آپ۔" سلیمہ چیخ کر بولی۔ "آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

"ب.... مم....!" پروفیسر اپنا سر کھجلاتا ہوا ہکلایا۔ "مم.... میرا.... یہ مطلب نہیں۔"

"کچھ نہیں مطلب صاف ہے۔" سلیمہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔ "آپ مجھے اتنا بُرا سمجھتے ہیں۔"

"میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا ہے۔" حمید روتی آواز میں بولا۔

"جی.....!" پروفیسر بوکھلا کر اس کی طرف مڑا۔

"آپ نے ایک مہمان کے سامنے میری توہین کی ہے۔" سلیمہ گرجی۔

"اور آپ نے ایک مہمان کی توہین کی ہے۔" حمید نے کہا۔

"خدا کے لئے۔" پروفیسر گھگھیا کر بولا۔ "اور آپ دونوں مجھے معاف کر دیجئے ورنہ بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"میں نے معاف کر دیا۔" حمید آنسو خشک کر کے بولا۔

"ڈیڈی کبھی کبھی آپ خود ہی اپنے اصولوں کا خون کر دیتے ہیں۔" سلیمہ تلخی سے بولی۔

"میں تم سے نہیں جیت سکتا بے بی۔ مجھے معاف کر دو۔" پروفیسر نے کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔ سلیمہ دور کی ایک کرسی پر بیٹھ کر حمید کو گھورنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ "میں نے آپ کو بھی معاف کر دیا۔"

"مجھ سے مت بولئے۔" سلیمہ جھنجھلا کر بولی۔ "آپ بالکل بیوقوف آدمی ہیں۔"

"کوئی نئی بات نہیں۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک بار ایک سرکس کے منیجر نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ وہ اُسے گھورتی رہی۔

"بات یہ تھی کہ میں نے اس کے ایک ہاتھی کو گدھا کہہ دیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"آپ مجھے ہنسانے کی کوشش نہ کریں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ آپ کو پھنسانے کی کوشش کروں۔"

"پھنسانے کی نہیں ہنسانے۔" سلیمہ جھلا کر بولی۔

"چلئے ایک ہی بات ہے۔"

"آپ مجھ سے مت بولئے۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں خود سے کہہ رہا تھا۔"

سلیمہ اُسے گھورتی ہوئی اٹھی اور باہر چلی گئی۔ حمید کب پیچھا چھوڑنے والا تھا وہ بھی اسی کے ساتھ اٹھ گیا۔ دونوں برآمدے میں نکل آئے۔ سلیمہ لیموں کے درخت کے نیچے لان پر

جا بیٹھی۔ اچانک وہ کچھ بدحواس سی نظر آنے لگی تھی۔ حمید بھی اس کے قریب ہی جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں نہ تو جھنجھلاہٹ تھی اور نہ تلخی، البتہ الجھن کے آثار ضرور تھے اور انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ الجھن کسی غیر متعلق چیز سے تعلق رکھتی ہو۔

"کیا آپ ناراض ہو گئیں۔" حمید نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"نہیں تو.... لیکن۔" وہ آہستہ سے بولی اور کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا بات ہے۔"

"بوں ژر!"

"جی! کیا مطلب۔" حمید چونک کر بولا۔

"بوں ژر۔" سلیمہ نے پھر تیز قسم کی سرگوشی میں دہرایا۔ "بوں ژر کسے کہتے ہیں۔"

حمید حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ وہ قطعی سنجیدہ نظر آ رہی تھی اور اس کے چہرے پر تشنجی آثار تھے۔ کسی اندرونی تکلیف کا عکس اس کے چہرے پر صاف پڑ رہا تھا۔

"میں نے یہ لفظ کبھی نہیں سنا۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔"

"اگر لفظ ہی نہیں ہے تو پھر یہ میرے ذہن میں کس طرح آیا۔" سلیمہ تشویشناک لہجے میں بولی۔ "اور آج یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بچپن ہی سے یہ لفظ میرے ذہن میں گونج رہا ہے۔ خصوصاً غصے کی حالت میں میرا ذہن بڑی تیزی سے بوں ژر بوں ژر رٹنے لگتا ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"آپ بدتمیز ہیں۔"

"آپ بوں ژر ہیں۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

یک بیک سلیمہ سنجیدہ ہو گئی۔ اب وہ حمید کو دلچسپی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تو گویا آپ اس لفظ کی حقیقت سے واقف ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں.... میں جانتا ہوں۔"

"مجھے بتائیے۔"

"ہرگز نہیں بتاؤں گا.... ایسی باتیں عورتوں سے نہیں بتائی جاتیں۔"

"آپ کو بتانا پڑے گا۔" سلیمہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے وحشت برسنے لگی۔

یک بیک وہ حمید کی طرف جھپٹی اور اس نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ حمید ابھی تک تو مذاق ہی سمجھ رہا تھا لیکن اب اُسے بھی سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ سلیمہ پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا وہ اس کے چہرے پر اپنے ناخن مار رہی تھی۔ بدقت تمام حمید اپنا گریبان چھڑا سکا۔ وہ اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ لیکن سلیمہ پھر جھپٹی۔ اس بار اس کے تیور کچھ اور تھے۔ حمید بوکھلا کر پھاٹک کی طرف بھاگا۔

"لیمو! ڈاربی۔" سلیمہ نے اپنے کتوں کو آواز دی۔

اور قبل اس کے کہ حمید پھاٹک کے باہر ہوتا دونوں کتوں نے اُسے جالیا۔ حمید انہیں ہٹانے لگا لیکن وہ دونوں اس کے کوٹ کا دامن تھام کر جھول گئے تھے۔

اتنے میں سلیمہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے پھر حمید کا گریبان پکڑ لیا۔

یہ بھی حمید کی خوش نصیبی ہی تھی کہ عین اس وقت جب کہ وہ اس کا گریبان پکڑ کر کھینچ رہی تھی اسلم آ گیا۔ اسلم پر گویا بجلی سی گر پڑی۔ وہ حیرت سے منہ پھاڑے چند لمحے کھڑا رہا پھر "ارے ارے" کہتا ہوا آگے بڑھا۔

سلیمہ نے اس کے بھی کئی جگہ ناخن مارے، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اسے اندر گھسیٹ ہی لے گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید اپنے کمرے میں لباس تبدیل کر رہا تھا۔ اس نے آئینے میں شکل دیکھی اور ان خراشوں پر "سی سی" کر کے انگلی پھیرنے لگا، جو سلیمہ کے ناخنوں کا نتیجہ تھیں۔ اُس نے انہیں رومال سے خشک کر کے چہرے پر کولڈ کریم لگائی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ سلیمہ سو فیصدی پاگل ہے۔

پھر کچھ دیر بعد اسے اسلم سے معلوم ہوا کہ سلیمہ پر واقعی کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"یہ اس کی پرانی عادت ہے۔" اسلم نے کہا۔ "غصہ اتر جانے کے بعد وہ عموماً ہر ایک سے پوچھتی ہے کہ بوں ژر کسے کہتے ہیں۔ ایک بار میں نے مذاقاً کہہ دیا تھا کہ نہ بتاؤں گا۔ نتیجے میں اُس نے میری بھی یہی درگت بنائی تھی۔"

حمید اس مسئلے پر غور کرتا رہا لیکن وہ اُسے زیادہ اہمیت نہ دے سکا کیونکہ وہ پہلے بھی اس قسم کے کئی ذہنی مریضوں سے دوچار ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ فریدی کے متعلق سوچنے لگا۔ آخر وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ کیا ان

لوگوں نے اس کا پیچھا مستقل طور سے چھوڑ دیا تھا۔ جنہوں نے اُسے پبلک لائبریری میں بیہوش کر دیا تھا۔ شروع میں وہ ان کی پالیسی نہ سمجھ سکا تھا لیکن بعد کو غور کرنے پر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ انہوں نے شاید فریدی پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اُسے چھوڑ دیا تھا اور فریدی کے اس رات والے رویے سے بھی یہی ظاہر ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس نے اس پر محض اسی لئے فائر کئے تھے کہ وہ لوگ غلط راستے پر جا پڑیں۔ حمید گھنٹوں غور کرتا رہا لیکن کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

مگر وہ رات.... وہ رات ایسی تھی کہ حمید کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ خود کو موت کے جبڑے میں محسوس کرنے لگا تھا۔ ویسے اسے سو فیصدی یقین تھا کہ فریدی اس کی طرف سے غافل نہ ہوگا۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اُسے پروفیسر جھوس کے یہاں قیام کرنے کا مشورہ دیا ہوگا۔ مگر پروفیسر جھوس.... جسے وہ ایک مسخرے سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا اس رات کو اس کے لئے انتہائی پُر اسرار اور خطرناک بن گیا۔

اسے قطعی شبہ نہ ہوتا.... وہ تو نیند نہ آنے کی بناء پر کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ اچانک اس نے کسی کو چوروں کی طرح پھاٹک کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ کتے خاموش تھے۔ اس لئے حمید نے اندازہ لگالیا کہ وہ گھر ہی کا کوئی فرد ہو سکتا ہے، لیکن اتنی رات گئے۔ چوروں کی طرح کیوں؟ پھر اُسے یاد آیا کہ کتے تو مکان کے اندر بند کئے جاتے ہیں۔ یہ خیال آتے ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

اندھیرے میں پھاٹک سے گذرنے والے نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی اور پھر یک بیک حمید نے اُسے پہچان لیا۔ چلنے کا انداز پروفیسر جھوس کا سا تھا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے رہے اور اس دوران میں ایک بار بھی پروفیسر نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا اور جب وہ لنگڑی کوٹھی کے کھنڈرات کی طرف مڑا تو حمید کو جھرجھری سی آگئی اور اس نے بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔

ایک گری ہوئی دیوار کے ملبے کی اوٹ سے حمید اُسے کھنڈرات میں غائب ہوتے دیکھ رہا تھا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس نے نیم شکستہ بالائی منزل میں کئی رنگوں کی روشنیوں کے جھماکوں کے ساتھ عجیب طرح کی خوفناک چیخیں سنیں۔ اندر جانے کی ہمت تو نہ پڑی، لیکن وہ وہاں سے سڑک کی طرف بھاگا۔

پُراسرار پروفیسر

سڑک پر سے دکھائی دینے والے دریچے سنسان پڑے تھے۔ دفعتاً حمید کو احساس ہوا کہ وہ یہاں تک ننگے پیر دوڑتا چلا آیا ہے اور اس کے جسم پر سلیپنگ سوٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یہاں سے پروفیسر کی کوٹھی کا فاصلہ پانچ یا چھ فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ حمید سوچنے لگا کہ اگر کسی نے اُسے یہاں اس حال میں دیکھ لیا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ اگر پولیس کے گشتی دستے ہی سے مڈبھیڑ ہوگئی تو۔

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوئی سراغ لگائے بغیر وہاں سے رخصت ہوجائے، لیکن مجبوراً اُسے واپس ہی ہونا پڑا۔ دوبارہ کوٹھی میں داخل ہونے میں اُسے کوئی دشواری نہیں پیش آئی کیونکہ پھاٹک تو کھلا ہی ہوا تھا اور آج کتے بھی اندر ہی بند کئے گئے تھے ورنہ ہر رات کمپاؤنڈ ہی میں کھلے چھوڑ دیئے جایا کرتے تھے۔

حمید کھڑکی کے قریب بیٹھ کر پروفیسر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا تھا لیکن تین بجے تک تو اس کی واپسی ہوئی نہیں، اس کے بعد نیند کا مقابلہ نہ کر سکا۔

دوسری صبح وہ دیر سے اٹھا۔ اُسے ناشتے کے لئے بھی نہیں اٹھایا گیا تھا۔ ضروریات سے فارغ ہوکر وہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو پروفیسر وغیرہ ناشتہ کر چکے تھے۔ لیکن ابھی وہ تینوں وہیں تھے۔ پروفیسر اخبار پڑھ رہا تھا اور اسلم سفید میز پوش پر پنسل سے ٹماٹر کی تصویر بنا رہا تھا۔ بار بار وہ اس انداز میں کھانستا کہ سلیمہ اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوجاتی لیکن وہ خاموش تھی۔ اس نے ایک بار بھی جھنجھلاہٹ کا اظہار نہیں کیا۔

"اُف فوہ! آپ بہت سونے لگے ہیں۔" اسلم نے حیرت سے کہا اور میز پوش پر پنسل سے بنے ہوئے ٹماٹر کی طرف اشارہ کر کے مسکرانے لگا۔

لیکن حمید اس وقت ان لغویات میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کی نظریں حقیقتاً پروفیسر کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔

"اوہو.... مائی ڈیئر ساجد۔" پروفیسر نے اخبار رکھ کر کہا۔ "کیا طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"اوہ.... نہیں.... شکریہ.... میں بالکل ٹھیک ہوں.... رات ذرا دیر میں نیند آئی تھی۔"

پروفیسر کے چہرے سے حماقت برس رہی تھی اور اسی بناء پر حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ

اس بات پر یقین کر لے کہ پچھلی رات کا پُر اسرار آدمی پروفیسر ہی تھا۔

پروفیسر کو وہ کوئی معمولی بیوقوف نہیں بلکہ احمق اعظم تصور کرتا تھا۔ لیکن پچھلی رات کی بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اگر پروفیسر کا ذوق تجسس ہی اُسے لنگڑی کوٹھی تک لے گیا تھا تو اس کے داخلے کے فوراً بعد ہی اُن آوازوں اور روشنیوں کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ وہ آوازیں صرف جمعرات ہی کو سنی جاتی ہیں، لیکن کل تو اتوار تھا۔ چونکہ معمول میں فرق تھا اس لئے حمید یہ سمجھنے پر بھی مجبور تھا کہ وہ پروفیسر ہی کی حرکت تھی لیکن پروفیسر؟ وہ پھر پروفیسر کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں ناشتے کی ٹرالی آگئی۔ سلیمہ آج بہت خوش اخلاق نظر آ رہی تھی۔ اس نے خود حمید کے لئے چائے بنائی۔ اس دوران میں اسلم میز پوش پر کئی ٹماٹر بنا چکا تھا لیکن اس نے اسے بھی کچھ نہیں کہا۔

پروفیسر اُسے ناشتہ کرتا چھوڑ کر چلا گیا۔

ناشتہ کر کے حمید اٹھ گیا۔ وہ پچھلی رات کے معاملے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اپنے کمرے میں واپس آگیا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ پروفیسر کے متعلق فریدی کو کس طرح مطلع کرے۔ نہ جانے وہ کہاں ہو۔ یہ اطلاع اُس کے لئے یقیناً خاصی دلچسپ ثابت ہوتی۔

حمید سگار سلگا کر تمباکو کی پاؤچ میز پر رکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ دفعتاً اس کی نظر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پڑی، جس کا ایک کونا قلمدان کے نیچے دبا ہوا تھا۔ حمید متحیرانہ انداز میں جھک کر اس کی تحریر پڑھنے لگا۔

”حمید! اب تمہاری چھٹی ہے۔ آرام کرو۔ جب تک میں تمہیں اطلاع نہ دوں باہر مت نکلنا۔ پروفیسر اور اس کے اصیل مرغوں سے دل بہلاؤ۔ امید ہے تمہارا وقت اچھی طرح کٹ رہا ہوگا۔ ہم بہت جلد واپس چلیں گے۔“

فریدی نے نیچے اپنے دستخط نہیں کئے تھے، لیکن تحریر اُسی کی تھی۔ حمید چند لمحے اس کاغذ کے ٹکڑے کو گھورتا رہا پھر اُس نے اس میں آگ لگادی۔

اس کی بے چینی بڑھ گئی تھی اور ساتھ ہی اُسے فریدی پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ آخر وہ اسے اپنی جائے قیام کیوں نہیں بتانا چاہتا۔ کیا وہ ابھی پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا؟ روز روشن میں وہ

کس طرح یہاں آیا ہوگا یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔

بعض اوقات سچ مچ اُسے فریدی پر بھوت ہونے کا شبہہ ہونے لگتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر فریدی اب سے دو ڈھائی سو سال پہلے پیدا ہوا ہوتا تو اس کے تذکرہ نگار اُسے جادوگر بنا دیتے۔ اس کے پاس کسی ایسے تعویذ کا وجود ثابت کرتے جس کے ذریعے وہ محیر العقول کارناموں پر قادر ہوتا۔

حمید ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اس کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ تقریباً نو بجے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے حمید کو اپنی سلامتی اور بھی زیادہ خطرے میں نظر آنے لگی۔

آج ڈی۔ ایس۔ پی سٹی پھر پروفیسر جھوس سے ملنے کے لئے آیا تھا اور اس کے پاس پروفیسر کا ایک ملاقاتی کارڈ تھا، جو اُسے لنگڑی کوٹھی میں ملا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ میرا ملاقاتی کارڈ وہاں کس طرح پہنچا۔" پروفیسر نے کہا۔

"جس طرح آپ کا لائبریری کا کارڈ جاوید کے جیب میں پہنچا تھا۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"وہ دوسری صورت تھی۔" پروفیسر نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔

"آہا یاد آیا! ممکن ہے یہ مجھ سے ہی گرا ہو۔ پرسوں دوپہر کو میں بھی وہاں گیا تھا۔ خاصی بھیڑ تھی۔"

"کیا آپ اوپر بھی گئے تھے۔"

"اوپر سے کیا مراد ہے آپ کی۔"

"اس چھت پر جہاں آوازیں سنائی دیتی ہیں۔"

"نہیں تو! وہاں تک جانے کی کسی نے شائد ہمت نہیں کی تھی۔"

"لیکن آپ کا کارڈ اوپر ہی ملا تھا۔"

"مجھے حیرت ہے۔" پروفیسر کچھ سوچنے لگا۔

بہرحال حمید کو اندازہ لگانے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ نہ صرف پروفیسر پر شبہے کی نظر رکھتا ہے بلکہ اس کی طرف سے مطمئن بھی نہیں ہے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں ڈی۔ ایس۔ پی اس کے متعلق مزید استفسار نہ کر بیٹھے۔ ایسی صورت میں واقعی اس کے لئے بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں اگر پروفیسر ڈی۔ ایس۔ پی کے سامنے پروفیسر چنگھاڑنی اور ڈاکٹر زیٹو کے نام دہرا دیتا تو مصیبت آ جاتی۔ ظاہر ہے کہ چنگھاڑنی اور زیٹو، پروفیسر جھوس ہی کی طرح بے سر وپا نام تھے۔

ڈی۔ ایس۔ پی کے جاتے ہی حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ پروفیسر بُرا سا منہ بنا کر کچھ بڑبڑانے لگا۔ حمید سن نہیں سکا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

اسی دوران حمید ایک دوسرے واقعے سے دوچار ہوا اور اس نے آنکھیں اچھی طرح کھول دیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی کی دوبارہ آمد کے سلسلے میں اسلم اور سلیمہ بہت زیادہ بور ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ دونوں تفریح کے لئے چلے گئے۔ انہوں نے حمید کو بھی ساتھ لے جانا چاہا تھا مگر اُسے فریدی کی ہدایت کے مطابق گھر ہی پر رکنا تھا اور سچ مچ اُسے اس وقت فریدی پر بڑا تاؤ آیا تھا۔ نہ جانے اس میں کون سی مصلحت تھی۔

بہر حال وہ اپنے کمرے میں پڑا اونگھ رہا تھا۔ اچانک کسی قسم کے شور سے اُس کی نیند اچٹ گئی۔ کہیں شور ضرور ہو رہا تھا لیکن اس کی نوعیت حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ بہر حال وہ اٹھ بیٹھا۔ پوری کوٹھی سنسان پڑی تھی اور اب وہ مدہم سا شور بھی ختم ہو گیا تھا۔ حمید متعدد کمروں میں گھومتا پھرا لیکن کسی نوکر سے بھی ملاقات نہ ہوئی۔ پھر وہ باورچی خانے کی طرف گیا۔ وہاں بھی تالا پڑا تھا۔ پوری عمارت میں اُسے صرف وہ بہری خادمہ دکھائی دی جو باورچی کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ اُس نے حمید کو بتایا کہ صاحب نے سب نوکروں کو میٹنی شو دیکھنے کی چھٹی دی ہے۔

حمید اپنے کمرے کی طرف چل پڑا، لیکن اس بار اس نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ پروفیسر کی تجربہ گاہ کی طرف سے گذرتا تھا۔ تجربہ گاہ کے دروازے بند تھے لیکن نہ جانے کیوں حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اندر کوئی موجود ہے۔

حمید نے رک کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن دو ہی قدم چلنے کے بعد اُسے رک جانا پڑا کیونکہ پھر وہی ہلکا اور گھٹا گھٹا سا شور اُسے سنائی دینے لگا، جو اس نے اپنے کمرے میں سنا تھا اب اسے احساس ہوا کہ وہ عجیب قسم کی آوازیں زمین سے نکل رہی تھیں۔ ویسی ہی آوازیں جیسی ریل کے پہیوں سے نکلتی ہیں۔ اس کے پیروں کا فرش جھنجھنا رہا تھا۔ دفعتاً پھر سناٹا چھا گیا۔ حمید چند لمحے مبہوت کھڑا رہا۔ پھر وہ تجربہ گاہ کے بند دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر کنجی کے سوراخ سے آنکھ لگاتے ہی اُسے اندر ایک عجیب نظارہ دکھائی دیا تجربہ گاہ کے فرش پر پروفیسر کی گردن کٹی ہوئی تھی اور دھڑ غائب تھا لیکن اس کی پلکیں جھپک رہی تھیں اور آنکھیں بھی متحرک تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

حمید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا دم گھٹا جا رہا ہو۔ دوسرے لمحے میں وہ کٹی ہوئی گردن بھی متحرک نظر آنے لگی۔ پھر وہ کچھ اونچی ہوئی.... اونچی ہی ہوتی گئی اور پھر اگر حمید ضبط نہ کرتا تو اُسے اپنی حماقت پر دل کھول کر ہنسنا پڑتا۔

پروفیسر تو حقیقتاً ایک تہہ خانے سے اوپر آ رہا تھا۔ کمرے میں کافی اُجالا نہ ہونے کی بناء پر حمید کو تہہ خانے کا دہانہ نہیں دکھائی دیا تھا۔ چونکہ وہ فرش ہی کی سطح پر تھا اس لئے اُس سے پروفیسر کی نکلی ہوئی گردن ہی پہلے حمید کو نظر آئی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے پروفیسر کا سر کاٹ کر فرش پر رکھ دیا ہو۔

پروفیسر تہہ خانے سے نکل آیا تھا اور اس کے ہاتھوں پر لکڑی کا ایک چھوٹا سا بکس دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے اُسے فرش پر رکھ دیا۔ پھر دیوار کے قریب جا کر پتھر کے ایک مجسمے کا سر گھمانے لگا، جو لکڑی کے ایک اونچے اسٹول پر رکھا ہوا تھا۔

حمید کو پھر اپنے پیروں کے نیچے اسی قسم کے شور کا احساس ہوا اور ساتھ ہی وہ کمرے کے فرش کو برابر ہوتے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تہہ خانہ کا نشان تک مٹ گیا اور وہ شور بھی تھم گیا، جو حمید کو اپنے پیروں کے نیچے محسوس ہو رہا تھا۔

اب پروفیسر نے لکڑی کا صندوق کھول کر اُسے فرش پر الٹ دیا۔ پندرہ یا بیس عدد ریوالور فرش پر بکھر گئے۔

حمید کے رہے سہے شبہات بھی یقین میں تبدیل ہو چکے تھے۔ پروفیسر نے شائد اپنے نوکروں کو اسی لئے چھٹی دی تھی کہ وہ اپنے تہہ خانے کو استعمال کرنا چاہتا تھا چونکہ اس کا نظام کسی قسم کی مشین پر قائم تھا اس لئے گھر والوں کو کھسکا ہی دینا پڑتا تھا۔

پروفیسر ریوالوروں کو صاف کرنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ وہ دبے پاؤں اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ اس نئی دریافت پر اس کے اندر ایک عجیب قسم کا جوش پیدا ہو گیا تھا، جسے دبانے کے لئے اُسے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش وہ کسی طرح فریدی کو اطلاع دے سکتا۔ وہ دل ہی دل میں قہقہے لگا رہا تھا۔ اپنی کامیابی پر ہنس رہا تھا لیکن پھر اُسے خیال آیا کہ سب بے سود۔ وہ بالکل بے بس تھا۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مجرم اس کے سامنے تھا لیکن خود اس کی پوزیشن چوروں کی سی تھی۔ پھر بھی اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ فریدی کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھ پیر باندھ کر نہیں بیٹھے گا۔

شام تک اُس کی بُری حالت ہو گئی۔ بار بار اس کا دل چاہتا تھا کہ جھپٹ کر پروفیسر جھوس کو دبوچ لے۔ لیکن فریدی! اس کا خیال آتے ہی اس کی روح فنا ہو جاتی اور اُسے سوچنا پڑتا کہ فریدی نے بغیر سوچے سمجھے اُسے خاموش رہنے کی ہدایت نہ کی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اس دوران

میں پروفیسر کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے اس کے معاملے کو کسی اور وقت کے لئے اٹھار کھا تھا۔

انہیں الجھنوں میں شام سے رات ہو گئی۔ کھانے کی میز پر حمید زیادہ تر خاموش ہی رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ سلیمہ بھی اُسے چھیڑ چھیڑ کر گفتگو پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے مگر حمید کی زندہ دلی رخصت ہو چکی تھی، وہ بار بار پروفیسر کو گھورنے لگتا، جو کھانے میں اس طرح مشغول تھا جیسے اُسے دوسری صبح کے ناشتے کی توقع نہ ہو۔ اُس کے چہرے پر اس وقت بھی حماقت برس رہی تھی۔ نوالہ چباتے وقت اس کی فرنچ کٹ ڈاڑھی کسی جگالی کرتے ہوئے بوڑھے بکرے کی ڈاڑھی کی طرح بڑے سنجیدہ انداز میں ہلنے لگتی تھی۔

پروفیسر نے بھی دو ایک بار حمید کی خاموشی کی وجہ پوچھی، لیکن ''ہوں ہاں'' کر کے ٹال گیا مگر پروفیسر کے استفسار میں خلوص کی جھلک تھی اور حمید نے اسے محسوس بھی کیا تھا، لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب اتنے زبردست مجرم سے اس کا سابقہ نہ پڑے۔ کھانا ختم کرنے کے بعد بھی وہ بڑی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے کافی اور تمباکو سے شغل کرتے رہے۔ پروفیسر، اسلم، سلیمہ تینوں باتیں کرنے کے موڈ میں تھے، لیکن حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رات خطرات سے پُر ہو۔

کلاک نے بارہ بجائے۔ حمید ابھی تک بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ گھنٹے کی آواز اُسے بہت بُری لگ رہی تھی۔ وہ جھنجھلا کر اٹھا کہ کلاک کا پنڈولم نکال کر میز پر ڈال دے، اچانک اس کی نظریں کھڑکی کے باہر رینگ گئیں۔ پھاٹک کے قریب دو تین انسانی سائے نظر آرہے تھے اور پھر اس نے چہار دیواری کے اندر مہندی کی باڑھ کے نیچے کسی سیاہ سی چیز کو حرکت کرتے دیکھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ کتا ہو گا۔ مگر کوٹھی میں کوئی اتنا قد آور کتا نہیں تھا۔ پھاٹک کے قریب چہار دیواری کے نیچے پہنچ کر وہ چیز اوپر اٹھی اور یہ بھی کوئی آدمی ہی تھا۔

حمید پھرتی سے میز کی طرف بڑھا۔ جہاں اس نے اپنا سیاہ کوٹ رکھا تھا۔ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر اُس نے لباس تبدیل کیا لیکن اس کی نظر ایک بار بھی کھڑکی سے نہیں ہٹی۔

جوش میں اُسے فریدی کی ہدایت بھی نہ یاد رہی۔ اُس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ تنہا ہے اور دشمن نہ جانے کتنے ہوں۔

پائیں باغ میں سناٹا تھا۔ حمید بھی مہندی کی باڑھ کی اوٹ میں پھاٹک کی طرف بڑھنے لگا۔ چند

لمحوں بعد اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے قریب چہار دیواری کے نیچے کھڑے ہوئے آدمی نے پھاٹک کھولا اور باہر نکل گیا۔

آج بھی حمید اس کے تعاقب میں خود کو لنگڑی کوٹھی کے قرب وجوار میں پا رہا تھا۔ پروفیسر جھوس کھنڈرات کی طرف مڑ گیا۔ حمید بھی تیزی سے آگے بڑھا لیکن پھر وہ پروفیسر کو نہ دیکھ سکا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ یہاں اکیلا نہیں ہے۔

بے شمار تاریک سائے پیٹ کے بل ان کھنڈرات میں رینگ رہے تھے اور ان سب کا رخ بالائی منزل ہی کی طرف تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اُسے فریدی پر غصہ آنے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس سے بڑی غلطی ہوئی اسے پولیس کو فون کر دینا چاہئے تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی سے مل کر اسے بتانا چاہئے تھا کہ پروفیسر کا ملاقاتی کارڈ لنگڑی کوٹھی میں کیوں پایا گیا تھا۔

حمید نے بڑھنے کی کوشش کی لیکن پھر رک گیا۔ وہ دو نیم شکستہ دیواروں کے درمیان میں تھا جن کا درمیانی فاصلہ چھ فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا اور اس کے آگے دیواروں کے گرے ہوئے حصوں کا ملبہ تھا۔ بہر حال وہ خود کو بالکل محفوظ سمجھ رہا تھا لیکن اس طرح بے بسی سے ایک کونے میں پڑے رہنے سے فائدہ ہی کیا تھا۔ کاش اس کے پاس ریوالور ہی ہوتا۔

دو تین آدمی اور رینگتے ہوئے ان کے سامنے سے گذر گئے۔ ان کا رخ بھی اسی طرف تھا جدھر سے آوازیں آیا کرتی تھیں۔

دفعتاً حمید کو اپنی پیٹھ پر سرسراہٹ سی محسوس ہوئی اور وہ ایک طرف اینٹوں کے درمیان دبک گیا۔ اس سے چند ہی قدموں کے فاصلے پر ایک آدمی کھڑا تھا وہ آہستہ آہستہ اینٹوں کے ڈھیر کے قریب آیا اور ٹھیک اُسی جگہ اکڑوں بیٹھ گیا جہاں چند لمحے پیشتر حمید بیٹھا ہوا تھا اور اب وہ حمید سے بمشکل تین یا چار فٹ کے فاصلے پر رہا ہوگا۔

حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس تدبیر کی بناء پر جو اُسے اچانک سوجھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ آدمی مسلح ہو۔

حمید اپنا داہنا ہاتھ آگے پھیلائے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کا داہنا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا اس کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا اور حمید نے اس کا منہ دباتے ہوئے اس کا سر کئی بار دیوار سے ٹکرا دیا اور اُس کے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس

جدوجہد میں جو تھوڑی بہت آواز ہوئی بھی تو حمید نے شدت جوش میں اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ وہ بڑی تیزی سے بیہوش ہو جانے والے کی جیبوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ آخر پتلون کی جیب میں سے اُسے ایک ریوالور ملا جو بھرا ہوا تھا۔ کمر میں کارتوسوں کی پیٹی تھی۔ حمید نے بڑی سرعت سے کھول لیا۔

دفعتاً اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے پھر سرسراہٹ سنائی دی۔ کوئی پیٹ کے بل رینگتا ہوا اسی طرف آرہا تھا۔ حمید پھر اُسی پرانی جگہ میں دبک گیا۔

تاریکی اور سناٹے کا امتزاج بڑا ہیبت ناک تھا اور جب جھینگروں کی جھائیں جھائیں اچانک رک جاتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وقت کی سانس رک گئی ہو۔

حمید کو اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھنے والے کے ہاتھ دکھائی دیئے لیکن پھر اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اس پر کود پڑا ہو اور یہ حقیقت تھی اس پر دو طرف سے حملہ ہوا تھا۔ آدمی تین تھے۔ دفعتاً دریچوں سے چیخیں بلند ہوئیں۔

مجرم کون تھا

حمید نے اپنے اوپر چھائے ہوئے آدمی کو دوسری طرف اچھال دیا۔ اتنے میں نہ جانے کس طرف سے فائر ہوا اور حمید کے حملہ آور ایک طرف سمٹ گئے۔ گولی ان کے سروں پر سے گذر گئی۔ پھر وہ دونوں اچھل کر تاریکی میں غائب ہو گئے۔ اب باقاعدہ طور پر گولیاں چلنے لگی تھیں۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو فریقوں میں جنگ ہو رہی ہو۔ لیکن وہ دو فریق کون تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فائرنگ رک جاتی اور بستی والوں کا شور سنائی دینے لگتا، جو شاید سڑک کے اس پار جمع ہو رہے ہوں گے۔ فائر ہوتے اور پھر بعض اوقات چیخیں اور کراہیں بھی سنائی دیتیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا اور پھر سڑک کی طرف سے بھی فائر ہونے لگے۔ شاید پولیس آگئی تھی۔ اچانک اندر سے فائر ہونے بند ہو گئے۔

حمید کے لئے یہ ایک خطرناک پچویشن تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں وہ پولیس والوں کے ہتھے چڑھ گیا تو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور تو کچھ نہیں فریدی بُری طرح اس کی جان کو

آ جائے گا۔ اس نے کارتوسوں کی پیٹی کمر سے کھول کر وہیں ڈال دی اور پیٹ کے بل رینگتا ہوا کھیتوں میں اُتر گیا اور پھر جب اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ لنگڑی کوٹھی سے کافی فاصلے پر نکل آیا ہے تو اس نے ریوالور بھی وہیں کھیت میں ڈال دیا اور خود اٹھ کر سڑک پر آگیا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر لنگڑی کوٹھی کے سامنے شور سنائی دے رہا تھا اور ملگجے اندھیرے میں بہت سے سائے لنگڑی کوٹھی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شائد پولیس محاصرہ کر رہی تھی۔ حمید تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا بھیڑ میں جاملا۔ پولیس کی کئی لاریاں وہاں موجود تھیں۔ پانچ چھ کاریں بھی تھیں اور شہر کے کئی بڑے حاکموں کی وحشت زدہ صورتیں نظر آرہی تھیں۔

لنگڑی کوٹھی کا محاصرہ کر لیا گیا تھا اور پولیس کی گشتی لاری سے مائیکروفون پر کوٹھی کے اندر گولی چلانے والوں کو تنبیہہ کی جارہی تھی۔

اچانک لنگڑی کوٹھی کے دریچے سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "فائر نہ کئے جائیں۔ مجرموں کے ہتھکڑیاں لگائی جاچکی ہیں۔"

"تم کون ہو۔" پولیس کی گشتی لاری سے مائیکروفون پر پوچھا گیا۔

"مرکزی سراغ رسانی کا انسپکٹر فریدی۔" دریچوں سے آواز آئی۔

"اوہ یہ کہاں۔" پولیس کمشنر نے اپنے ایک ماتحت آفیسر کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔ "کیا ہمیں اسی نے فون کیا تھا۔"

"کہیں دھوکا نہ ہو۔" ماتحت آفیسر بڑبڑایا۔ پھر وہ تیزی سے گشتی لاری کی طرف بڑھ گیا۔

"گشتی لاری سے کہا گیا۔ ہم نہیں جانتے تم کون ہو۔"

"میں گرفتار شدگان کو لے کر آتا ہوں۔" دریچوں سے آواز آئی۔

فریدی کی آواز پہچاننے والا یہاں حمید کے علاوہ اور کون تھا اور حمید کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ وہ سو فیصدی فریدی ہی کی آواز تھی۔

پھر حمید نے کئی آدمیوں کو کھنڈروں سے باہر آتے دیکھا۔ ان کے چہرے نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور حمید نے ان کے ساتھ کچھ جانی پہچانی صورتیں بھی دیکھیں۔ رمیش، وحید، اکبر شیر سنگھ جیکب وغیرہ۔ یہ سب اسی کے محکمے سے تعلق رکھتے تھے اور فریدی نے خاص طور پر تربیت دے کر انہیں اپنی ماتحتی میں رکھا تھا۔

گرفتار شدگان کی ٹولیاں نکلتی رہیں اور پھر حمید نے انہیں گنا۔ ان کی تعداد ستائیس تھی۔

سب سے آخر میں دو نقاب پوش اور نکلے۔ اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی اور دوسرا یونہی چل رہا تھا۔ پولیس والوں نے اس کے بھی ہتھکڑی لگانی چاہی لیکن اس نے انہیں ڈانٹ دیا۔ آواز فریدی کی تھی۔

وہ نقاب پوش جس کے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی ہنستا ہوا چل رہا تھا اور پولیس والے اُسے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔

وہ دونوں چلتے ہوئے حکام بالا کے قریب پہنچ گئے۔ ہتھکڑی والا نقاب پوش برابر ہنسے جارہا تھا اور حکام اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

فریدی نے ایک قدم آگے بڑھ کر نقاب اتارتے ہوئے کہا۔ ”رفعت نعیم! اس کی بیوی اور ایک نامعلوم آدمی کا قاتل حاضر ہے۔“

اس پر نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور پولیس کمشنر آگے بڑھ کر فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔

”بے شک تم فریدی ہو! لیکن تم یہاں کیسے۔“

”بہت ہی اہم معاملات میں سارا ملک میری ضرورت محسوس کرتا ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

اس پر نقاب پوش پھر ہنس پڑا۔ حمید کو اس کی آواز بھی جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی۔

دفعتاً اس نے اپنا نقاب ہتھکڑی لگے ہوئے ہاتھوں سے نوچ ڈالا۔

”ارے...!“ قریب کھڑے ہوئے لوگوں کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔

”یہ بھی ایک لطیفہ رہا۔“

لوگ حیران و ششدر کھڑے تھے۔ حمید نے بھی اُسے ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ ڈی۔ ایس۔ پی ستی تھا، جسے آج بھی وہ پروفیسر جھوس کے یہاں دیکھ چکا تھا۔

”یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔“ وہ ہنس کر بولا۔ ”ہم دونوں نے مجرموں کو پکڑنے کا ایک ہی طریقہ اختیار کیا۔ میں مسٹر فریدی کو مجرم سمجھتا رہا اور وہ مجھے۔ جب انہوں نے اپنے نام کا اعلان کیا تو مجھے ہنسی آ گئی۔ ہتھکڑی تو لگ ہی چکی تھی۔ میں نے کہا چلو تفریح ہی رہے گی۔“

”لاحول ولا قوۃ۔“ پولیس کمشنر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ”لائیے ہتھکڑی کی چابی لائیے۔“

”ہتھکڑی تو وہی کھول سکتا ہے جناب جو اپنی ملازمت سے بیزار ہو گیا ہو۔“ فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

”کیا مطلب۔“ کمشنر کے لہجے میں تیزی تھی۔

"یہ وارنٹ۔" فریدی نے جیب سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "ناقابل ضمانت ہے اور براہِ راست وزارت داخلہ کی وساطت سے حاصل کیا گیا ہے۔"

کمشنر نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ کیا معاملہ ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"معاملات تو کوتوالی ہی چل کر صاف ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بات ہے۔" ڈی۔ایس۔پی سٹی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا وارنٹ۔" پولیس کمشنر نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں.... کیا واقعی.... یہ کیا لغویت ہے۔" ڈی۔ایس۔پی فریدی کو گھورنے لگا۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی نے پولیس کمشنر سے کہا۔ "یہاں زیادہ ٹھہرنا پورے شہر کو اکٹھا کرنے کے مترادف ہوگا۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" کمشنر چونک کر بولا۔

"میری ہتھکڑیاں کھولی جائیں۔" ڈی۔ایس۔پی جھلا کر بولا۔

"مجبوری ہے.... ناممکن۔" کمشنر بڑبڑایا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" ڈی۔ایس۔پی فریدی کی طرف پلٹ پڑا۔

"اُس وقت میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

دفعتاً حمید نے اُس کے قریب پہنچ کر شانہ مارا۔ فریدی چونک کر مڑا۔

"اوہ! تو آپ بھی تشریف لے آئے ہیں۔"

"پروفیسر جھوس بھی تھا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

لیکن فریدی نے دھیان نہ دیا۔ اس نے اسکا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "چلو بیٹھ جاؤ لاری میں۔"

وہ کوتوالی پہنچے۔ ڈی۔ایس۔پی سٹی کے تیور بتا رہے تھے کہ اس نے شکست تسلیم نہیں کی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی نے ٹھوکر ہی نہ کھائی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو بڑی بدنامی ہوگی۔ وہ پروفیسر جھوس کے متعلق بھی سوچ رہا تھا۔

"ہاں تو تم نے کس بناء پر میرے لئے وارنٹ حاصل کیا ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے غصیلی آواز میں فریدی کو مخاطب کیا۔

"بدمعاشوں کے ایک گروہ کی سرپرستی کرنے کے سلسلے میں۔" فریدی بولا۔ "کیا یہ سب

تمہارے آدمی نہیں ہیں۔" فریدی کا اشارہ ستائیس گرفتار شدہ آدمیوں کی طرف تھا۔

"سب میرے آدمی نہیں ہیں۔" ڈی۔ایس۔پی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ پھر انہیں مخاطب کر کے بولا۔ "راجن، دلاور، اختر، ستیل، ناگرا اپنے نقاب اتار دو۔"

پانچ آدمیوں نے اپنے نقاب نوچ ڈالے۔ پھر ڈی۔ایس۔پی فریدی کو قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ ہیں میرے جوان! جنہیں میں اپنے ساتھ اس مہم پر لے گیا تھا۔ ان میں سے دو سب انسپکٹر ہیں اور تین کانسٹیبل۔"

"لیکن انہوں نے گرفتاری کے بعد تمہاری طرح قہقہے لگائے تھے اور یہ دلاور تو شائد ریلوے پولیس کا سب انسپکٹر ہے۔ اس بیچارے کو ایسی مہموں سے کیا سروکار۔ کیوں دلاور کیا تمہیں وہ ٹائم بم نہیں یاد جو تم نے ایک مسافر کے سوٹ کیس کی تلاشی لیتے وقت اس میں رکھ دیا تھا۔"

دلاور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے گھورتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "اتفاق سے وہ بم نہیں پھٹ سکا۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔"

اچانک دلاور چکرا کر گر پڑا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ فریدی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کمشنر کی طرف مڑا۔

"جناب والا.... پہلا ثبوت۔" اس نے کہا۔ کمشنر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

فریدی نے ڈی۔ایس۔پی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا تم بلیک میلروں کے سرغنہ نہیں ہو۔ کیا تم اعلیٰ پیمانے پر کوکین کی تجارت نہیں کرتے۔"

"نہیں بہرام ڈاکو بھی میں ہی ہوں اور چین کا فومانچو بھی۔" ڈی۔ایس۔پی نے قہقہہ لگایا۔

"تم نے دونوں کو مات کر دیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور سنو! میں نے تمہیں چاروں طرف سے باندھ کر یہ اقدام کیا ہے۔ تمہیں وہ خطوط تو یاد ہی ہوں گے جن کے ذریعہ تم جاوید کو بلیک میل کر رہے تھے۔"

"بکے جاؤ.... مجھے یقین ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"اور اُس دن۔" فریدی اس کی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔ "وہ خطوط میں نے ہی اس آدمی کی جیب سے اڑائے تھے جس کو بعد میں تمہارے ایک آدمی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا اور جانتے ہو ان خطوط پر مجھے تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔"

"میری انگلیوں کے نشانات۔" ڈی۔ایس۔پی چونک کر بولا۔

"جناب.... اور مجھے تم پر اس وقت شبہ ہوا تھا جب تمہارے آدمیوں نے ایک گھنٹے کے ندر ہی اندر اس بات کا پتہ لگا لیا تھا کہ رفعت نعیم کے لئے برادر ہوڈ کلب میں میں نے ہی میز مخصوص کرائی تھی۔ پولیس کی یہ کارگذاری معجزے سے کم نہیں تھی۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ تم کو کسی طرح سے میری آمد کی خبر مل گئی تھی اور تم نے ہم دونوں پر شروع ہی سے نظر رکھی تھی۔ تمہارا پلہ بھاری پڑ رہا تھا کیونکہ ایک طرف تم پولیس سے کام لے رہے تھے اور دوسری طرف تم نے اپنے بدمعاشوں کو بھی میرے پیچھے لگا رکھا تھا۔ تمہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ میں کسی وجہ سے اس کیس میں کھل کر سامنے نہ آسکوں گا۔ لہٰذا تم نے ہم دونوں کو ختم کر دینے کی اسکیم بنائی جیسے ہی تمہیں معلوم ہوا کہ میں نے برادر ہوڈ کلب میں رفعت نعیم کے نام سے میز مخصوص کرائی ہے تم نے ہمیں بدحواس کرنے کے لئے رفعت نعیم کو قتل کر دیا۔ تمہاری اسکیم یہ تھی کہ بھاگ دوڑ میں ہمیں اپنے آدمیوں کی گولی کا نشانہ بنوا دیتے اور دنیا سمجھتی کہ حالات کی بناء پر غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تم سے یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ بہر حال تم قانون کی گرفت سے محفوظ رہتے جب ہم اس طرح بھی قابو میں نہ آئے تو تم نے سرجنٹ حمید کے سوٹ کیس میں بم رکھوا دیا، جو اتفاق سے پھٹ گیا۔"

"پھٹ گیا۔" ڈی۔ایس۔پی بے اختیار بولا۔ "مگر تم نے تو ابھی کہا تھا....!"

وہ یک بیک رک گیا جیسے اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ فریدی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کمشنر کی طرف دیکھا۔

"دیکھا آپ نے۔" اس نے کہا۔ "یہ دوسرا ثبوت ہے۔ خیر بہر حال میرے پاس درجنوں ثبوت ہیں۔ رفعت کی بیوی سے تمہارے ناجائز تعلقات تھے۔ دوسری طرف وہ جاوید سے بھی تعلقات رکھتی تھی۔ تمہاری باتیں اُس سے بتاتی تھی اور اُس کی تم سے۔ جاوید نے کبھی اُسے محبت بھرے خطوط بھی لکھے تھے جو اس کے پاس موجود تھے اور تم اس سے واقف تھے جاوید نے اپنا وہ رومال جو اس کی لاش کے پاس پایا گیا تھا اسے تحفتاً دیا تھا۔ ایک بار جاوید نے کسی بات پر خفا ہو کر اُسے کچھ سخت وسست لکھا اور پیار ہی پیار میں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی۔ تم تو بلیک میلر تھے ہی۔ تم نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ جاوید بھی خاصی موٹی مرغی تھا۔ رفعت کی بیوی نے تمہیں شاید اس کا وہ خط دکھا دیا۔ بس تم نے اسے مار ڈالا اور اس کی لاش لنگڑی کوٹھی میں ڈال دی

جو جاوید کے خاندان والوں کی ملکیت تھی۔ رومال کی وجہ سے جاوید پکڑا گیا۔ اس کے خطوط تم نے پہلے ہی اڑا لئے تھے۔ آخری خط اس کے خلاف عدالت میں بہ آسانی استعمال کیا جا سکتا تھا لہٰذا جب وہ ضمانت پر رہا ہوا تو تمہارے ایک آدمی نے اُسے بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس سے پچاس ہزار روپے طلب کر رہا تھا وہ شائد دے بھی نکلتا اگر میں بیچ میں ٹانگ نہ اڑا دیتا۔ یہ تو ہوئی قتل کی بات، اب لنگڑی کوٹھی کے چیختے دریچے کا حال سنو۔"

"میں کچھ نہیں سنتا۔" ڈی۔ ایس۔ پی مسکرا کر بولا۔ "اب یہ مذاق ختم کرو۔ آج تم نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔"

فریدی اس کی بات سنی ان سنی کر کے ریلوے کا سب انسپکٹر پولیس دلاور کی طرف دیکھنے لگا جو زمین پر پڑا اپنی آنکھیں مل رہا تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھایا اور گھسیٹتا ہوا ایک دوسرے کمرے میں لیتا چلا گیا۔ پھر اس نے کمشنر اور مجسٹریٹ سے بھی استدعا کی کہ وہ بھی اسی کمرے میں آ جائیں۔

دلاور مرزا بُری طرح کانپ رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس کی حالت دوبارہ غیر ہونی شروع ہو گئی تھی۔

"سنو دلاور۔" فریدی نے اُسے مخاطب کر کے کہا۔ "ڈی۔ ایس۔ پی ابھی تو اقرار جرم کر لیتا ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ عدالت میں مکر جائے لہٰذا میں تم پانچوں کو سرکاری گواہ بنانا چاہتا ہوں، لیکن اسی صورت میں جب تم مجھے اس کا یقین دلا دو کہ تمہارے ہاتھ بھی خون میں رنگے ہوئے نہیں ہیں۔"

"مجھے بچائیے۔" دلاور مرزا گڑگڑایا۔ "میرے بچے، میرے بعد ان کا کوئی نہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک خون نہیں کیا.... اگر وہ بم پھٹ جاتا تب تو میرے لئے بھی پھانسی تھی.... مجھے بچائیے۔"

"لنگڑی کوٹھی میں کوکین تقسیم ہوتی تھی نا۔" فریدی نے پوچھا۔ "ہر جمعرات کو۔"

"جی ہاں۔"

"اور وہ چیخیں جو مائیکروفون کے ذریعہ پیدا کی جاتی تھیں.... ایک قسم کا اشارہ تھیں.... کیوں؟"

"جی ہاں جناب! اس اشارے پر وہ لوگ وہاں پہنچ جاتے تھے، جو شہر میں کوکین تقسیم کیا کرتے تھے۔"

"اور کوکین کا ذخیرہ لنگڑی کوٹھی کے اس تہہ خانے میں ہے جس کا علم جاوید کے خاندان والوں کو بھی نہیں، اب بھی موجود ہے۔"

"جی ہاں! وہ تہہ خانہ کوتوال صاحب ہی نے دریافت کیا تھا۔"

"رفعت کی بیوی کا گلا بھی انہیں نے گھونٹا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"جاوید کو بلیک میل کرنے کے لئے۔"

"جی ہاں.... خدا کے لئے مجھے بچائیے۔"

"تم بچ جاؤ گے.... اب اپنا تحریری بیان دے دو۔"

تھوڑی دیر بعد کوتوالی کا ہیڈ محرر اس کا بیان قلم بند کر رہا تھا۔ اسی طرح فریدی نے دو اور گواہ بنا لئے۔ بقیہ دو شائد بہت زیادہ مضبوط دل کے مالک تھے۔ انہوں نے اقبال جرم نہیں کیا۔ وہ اسی بات پر اڑے رہے کہ وہ لوگ بدمعاشوں کے بھیس میں بدمعاشوں کو پکڑنے گئے تھے اور جب اُن سے بقیہ بائیس آدمیوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ وہی بدمعاش ہوں جن کے لئے وہ وہاں گئے تھے۔ دلاور مرزا اور دوسرے آدمیوں نے ان کے متعلق بتایا کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی ہی کے لوگ تھے۔ آج وہ سب اس بات کا پتہ لگانے گئے تھے کہ پچھلی رات کو کس نے کوکین تقسیم کرنے کے اشارات نشر کئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اشارات صرف جمعرات ہی کو نشر کئے جاتے تھے اور یہ کام خود ڈی۔ ایس۔ پی کرتا تھا.... لہٰذا اتوار کی رات کو ان کو سنا جانا ان لوگوں کیلئے حیرت انگیز تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی کو سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ کہیں کسی نے تہہ خانے کا راستہ نہ پالیا ہو کیونکہ مائیکروفون کاسٹ اسی تہہ خانے ہی میں رکھا جاتا تھا۔

سارے مجرم حوالات میں ڈال دیئے گئے۔

پھر فریدی کو حکام کے سامنے پوری روئیداد بیان کرنی پڑی۔

"وہ حمید سے اچھی طرح واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ پروفیسر جھوس کے یہاں مقیم ہے انہوں نے اسے محض اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ پوشیدہ طور پر اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھ کر میرا سراغ پا سکیں اور پھر اکٹھے ہم دونوں کو ٹھکانے لگا دیں۔ لیکن خود میں نے ہی حمید کو اپنا پتہ نہ دیا اور میں اسی وقت سے ان لوگوں کے پیچھے لگ گیا تھا جب وہ حمید کو پبلک لائبریری سے اٹھا کر سید پور والی عمارت میں لے گئے تھے.... لہٰذا واپسی پر میں نے اچانک حمید پر اس لئے حملہ

کیا کہ اس تک اپنا پیغام بھی پہنچا دوں اور ان آدمیوں کو بھی غلط راستے پر لگاؤں جو اس کا پیچھا کر رہے تھے۔"

"آپ احمد کمال نہیں بلکہ باکمال فریدی ہیں۔" کمشنر ہنس کر بولا۔ "جب یہ کم بخت ہی ان ساری سازشوں کا سرغنہ تھا تو بھلا یہاں کی پولیس کیا کر سکتی تھی۔"

"اب سنئے! اس کے بعد مجھے لنگڑی کوٹھی کی فکر پڑ گئی۔ میں نے وہاں اپنی ایک پوری رات برباد کی تب اس تہہ خانے کا پتہ چلا۔ وہ بھی اتفاقاً.... نہ میں ٹھوکر کھا کر گرتا اور نہ مجھے اس کی جگہ کی زمین پولی ہونے کا اندازہ ہوتا۔ بہرحال میں نے کل رات کو انہیں کی چھری سے ان کو ذبح کرنے کی کوشش کی۔ ان کا مائیکروفون استعمال کر کے ویسی ہی چیخیں نکالیں اور تین رنگوں والی ٹارچ لائٹ کے کرتب دکھائے۔ نتیجے کے طور پر آج یہ بیچارے دوڑے ہی چلے آئے اور میں نے اپنے آدمی تو اس کے دوسرے ہی دن بلوا لئے تھے، جب سرجنٹ حمید پر حملہ ہوا تھا۔"

"لیکن رفعت کی بیوی کے قتل کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا۔" مجسٹریٹ نے پوچھا۔

"ان خطوط سے جن کے ذریعے جاوید کو بلیک میل کیا جا رہا تھا، یقین کیجئے کہ اس میں سے زیادہ تر قیاس تھا جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے ڈی۔ ایس۔ پی صاحب اسی طرح اوروں کو بھی بلیک میل کر چکے ہوں گے۔ طریقہ بھی خاصا دلچسپ ہے۔ پھانسی سے بچنے کے لئے مالدار آدمیوں کے لئے لاکھ دو لاکھ کوئی بڑی بات نہیں اور ڈی۔ ایس۔ پی صاحب قتل کے ماہر۔ پولیس کے راجہ بھلا ان پر کون ہاتھ ڈال سکتا تھا۔"

"کیا تم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی ہی تھا۔" کمشنر نے پوچھا۔

"پہلے صرف یہ خیال تھا کہ پولیس کا کوئی آدمی ان سازشوں میں شریک ہے۔ لیکن ڈی ایس پی کے وجود کا علم اس دن ہوا جب وہ لوگ سرجنٹ حمید کو پکڑ لے گئے۔ میں نے ان کے درمیان میں ایک نقاب پوش کو دیکھا اور ایک ہی نظر میں پہچان گیا کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ وہ بدمعاش اُسے ایک پُر اسرار آدمی سمجھتے تھے۔ وہ اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔ شائد انہیں یقین تھا کہ وہ کبھی پکڑے ہی نہیں جا سکتے۔ اس کا رعب اتنا تھا کہ اس کے بدمعاشوں نے کبھی یہ جاننے کی ہمت ہی نہیں کی کہ اس سیاہ نقاب کے پیچھے کس کا چہرہ ہے۔ اگر میں اس وقت ذرا سا بھی چوکتا تو یہ صاف بچ گیا تھا۔ بڑی آسانی سے ہتھکڑیاں کھلوا کر مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کر دیتا۔ اچھا ہی ہوا تھا کہ میں نے وزارتِ داخلہ کی

وساطت سے وارنٹ حاصل کیا تھا.... ورنہ ہوتا یہ کہ وہ مجھے قہقہوں میں اڑا کر صرف اپنے بائیس بدمعاشوں کو جیل میں ٹھونسوا دیتا اور وہ بیچارے یہی سمجھتے رہتے کہ کوتوال صاحب نے بدمعاش کا بھیس بدل کر ہمارا بیڑا غرق کیا ہے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" کمشنر نے کہا۔ "وہ یہ کہ تم ابھی تک انسپکٹر ہی کیوں ہو۔"

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ میں ترقیوں کے لئے اس محکمے میں نہیں آیا۔ مجھے اس کام سے لگاؤ ہے۔ اور میں اپنی ذاتی دولت اس کے شوق میں پھونکتا ہوں۔ ورنہ میرا محکمہ اتنا مالدار نہیں کہ میرے مصارف برداشت کر سکے۔ اب اسی کیس میں میں نے اپنے چھ سات ہزار روپے پھونک دیئے ہیں۔ ظاہر ہے محکمہ مجھے اتنا بھتہ نہیں دے سکے گا۔"

"کچھ نہ کچھ تو ملے ہی گا۔" مجسٹریٹ ہنس کر بولا۔

"اوہ.... آپ کو حیرت ہوگی کہ میں نے آج تک اس قسم کا کوئی بل پیش ہی نہیں کیا ہے۔"

"تب تو معاف کیجئے گا۔ مجھے آپ کی ذہنی حالت پر شبہ ہے۔" کمشنر نے مسکرا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی بھی جواباً مسکرا دیا۔

❁

پو پھوٹ رہی تھی۔ حمید نے فریدی کے پہلو میں کہنی مار کر کہا۔

"اور پروفیسر جھوس۔"

"مارو گولی.... میں نے ابھی اُسے فون کرادیا ہے کہ ہمارا سامان کوتوالی میں بھجوا دے۔"

"اور اگر میں آپ کی آنکھیں کھول دوں تو۔"

"مجھے بڑا لطف آئے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید بڑے ڈرامائی انداز میں اپنا کارنامہ بیان کرنے لگا۔ فریدی ہونٹ سکوڑے سنتا رہا۔ پھر خشک لہجے میں بولا۔ "میرے منع کرنے کے باوجود بھی تم آوارہ گردی کرتے رہتے ہو۔"

"کمال کر دیا آپ نے! آپ کی نظروں میں اس کارنامے کی کوئی وقعت ہی نہیں۔"

"جب وہ کارنامہ ہو تب نا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "برخوردار.... پروفیسر جھوس سیکرٹ سروس کا آدمی ہے اور اس سے مجھے کافی مدد ملی ہے۔ اس نے وہ ریوالور میرے ہی لئے مہیا کئے تھے۔ رمیش وغیرہ مسلح نہیں تھے۔ اس وقت پروفیسر جھوس کی اصلیت سے اس شہر میں صرف ہم ہی دونوں واقف ہیں۔ تیسرا کوئی نہیں۔"

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"اب بھی نہ بتاتا اگر تم اُس پر شک نہ کرنے لگتے۔ شائد اس کی بیٹی اور بھتیجا بھی نہ جانتے ہوں کہ وہ سیکرٹ سروس کا آدمی ہے۔ کیا سمجھے اور تم بھی اس بات کو اپنے ہی تک رکھنا حتیٰ کہ پروفیسر جھوس پر بھی یہ ظاہر نہ ہو کہ تم اس کے راز سے واقف ہو۔"

"بوں ژر کسے کہتے ہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا اور فریدی بیساختہ ہنس پڑا۔

"میں یہ لطیفہ سن چکا ہوں۔" اس نے کہا۔ "سلیمہ ہسٹریا کی مریض ہے اور یہ بے تکا لفظ اس بُری طرح اس کے ذہن سے چپک گیا ہے کہ یہی بعض اوقات دورے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کی اَنا یو۔پی کے مشرقی حصے کے کسی دیہات کی تھی۔ غالباً اس نے بچپن میں یہ لفظ اُسی کی زبان سے سنا ہوگا۔ پورب کے بعض دیہاتوں میں دیہاتی بونڈر کو بگاڑ کر بوں ژر کہتے ہیں۔"

"ہائے ہائے۔" حمید اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ "اس کے پیارے پیارے منہ سے مجھے بوں ژر بہت اچھا لگتا ہے۔ بوں ژر.... بوں ژر.... بوں ژر۔"

پھر اس نے عورتوں کی طرح اپنی آواز باریک کر کے "بوں ژر" کہا اور فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک دھول جمادی۔

تمام شد